WWW.PAKSOCIETY.COM

اور سر کی پشت دکھائی دیتی تھی۔ وہ لیپ ٹاپ اسکرین کو دیکھتی اپنی ٹائپنگ کا سلسلہ وہیں سے جوڑنے لگی جہاں سے ٹوٹا تھا مگر اب ارتکاز بھی ٹوٹ چکا تھا۔

وہ جس طرح بیٹھی تھی، یہاں سے اسے دیوار سے لگا بک شیلف سامنے دکھائی دیتا تھا (اگر وہ سامنے رخ کر کے بیٹھتی تو یہ بک شیلف اس کی پشت پہ ہوتا) بک شیلف کے چمکتے شیشے میں باہر سیکرٹری بیٹھی نظر آرہی تھی۔ البتہ باہر سے دیکھنے پہ پارس کا عکس نظر نہیں آتا تھا۔

پارس نے دوبارہ ٹائپ کرنے کی کوشش کی مگر چہرے پر در آئی ہیجانی کیفیت، اضطراب، دبا دبا سا غصہ، ناگواری..... یہ سب جذبات مل کر جیسے اسے کام نہیں کرنے دے رہے تھے، وہ لیپ ٹاپ کے ٹچ پیڈ پر انگلی پھیرتی بے توجہی سے اِدھر اُدھر کی چیزیں دیکھنے لگی۔

قریباً دس منٹ گزرے یا شاید پندرہ، جب اسے شیشے میں جھلکتے عکس میں وہ آتا دکھائی دیا۔ ایڈمن بلاک ہوٹل کے ریسپشن والے پہلے بلاک سے خاصا دور تھا۔ پارس نے نظریں اسکرین پہ ہی رکھیں البتہ کن انکھیوں سے اسے باہر کا سارا منظر نامہ دکھائی دے رہا تھا۔

ہلکا کیمل کلر کا سوٹ بنا ٹائی کے، آنکھوں کو دھیما تاثر دیتے گلاسز وہ سیکرٹری کی میز کو نظر انداز کیے، نرم مسکراہٹ لبوں پر لیے سیدھا پارس کے آفس کی طرف بڑھا۔ بظاہر اسکرین کو دیکھتی پارس کے اعصاب تن گئے مگر وہ آدھے رستے میں تھا جب سیکریٹری کھڑی ہوئی۔

''سر، پلیز آپ اندر نہیں جاسکتے، میڈم مصروف ہیں۔'' شجاع رکا اور حیرت سے اسے دیکھا۔

''مگر ریسپشن پہ مجھے کہا گیا تھا کہ میں آسکتا ہوں۔''

''جی سر، آپ میڈم کا انتظار کر سکتے ہیں، وہ جب فارغ ہوں گی آپ کو بلالیں گی، بیٹھیے۔'' وہ سامنے کرسی کی جانب اشارہ کرتے ہوئے خود بھی واپس بیٹھی۔ شجاع نے تذبذب سے شیشے کے بند دروازوں کے پار دِکھتی اس کی کرسی کی پشت کو دیکھا پھر سست روی سے کرسی کھینچی۔

''آپ پلیز انہیں مطلع کر دیجیے کہ شجاع طاہر علی آئے ہیں۔''

''سر، اُن کو مطلع کیا جاچکا ہے مگر جیسا کہ میں پہلے کہہ چکی ہوں، وہ بے حد مصروف ہیں اور ان کا آرڈر ہے کہ جو کوئی بھی ہو، انتظار کرے۔'' دورانِ مسکراہٹ کے ساتھ کہتی وہ واپس کی بورڈ کی طرف متوجہ ہوگئی۔

شجاع نے اچنبھے سے دوبارہ پارس کی سمت دیکھا پھر کلائی پر بندھی گھڑی کو اور پھر گہری سانس لے کر جیسے انتظار کرنے لگا۔

پارس کے تنے اعصاب قدرے ڈھیلے پڑے تھے۔ وہ کن انکھیوں سے مسلسل باہر بیٹھے شجاع پہ نظر رکھے، بظاہر پھر سے کام میں مصروف ہوگئی۔ اب کہ اس کو زیادہ تگ و دو نہیں کرنی پڑی اور جلد ہی ذہن کام پہ دوبارہ فوکس کرنے لگا۔

fear of unknown جب تک سامنے نہ آئے، انسان یونہی منظر بدلتا ہے۔ ایک دفعہ سامنا کرلو تو پتا چلتا ہے کہ وہ تو صرف ہوا کا جھونکا تھا، جس کی دور سے آتی آواز ڈراتی ہے، غراتی ہے مگر نہ اس کا کوئی وزن ہوتا ہے، اور نہ ہی کوئی زور۔

اس کے کی بورڈ پہ چلتے ہاتھ تیز ہو گئے تھے، وہ اب پہلے سے بہتر توجہ کے ساتھ کام کر رہی تھی۔ البتہ گاہے بہ گاہے بک شیلف کے شیشے میں جھلکتا عکس بھی دیکھ لیتی۔

کتابوں کے اوپر چھپا وہ منظر ویسا ہی تھا۔ وہ بہت بے چینی سے انتظار کر رہا تھا۔ یوں لگتا تھا اس کی تصویر ہے جو قطار در قطار کتابوں کے اوپر کسی وال مورال کی طرح چسپاں ہے۔

پارس کا ذہن پھر بھٹکنے لگا۔ ایک کتاب سے دوسری..... دائیں سے بائیں بھوری، سیاہ، سبز،

سرخ جلدیں..... سنہرے رنگوں سے لکھے ٹائٹل، ان دیکھی سیاہی سے لکھی اَن مٹ کہانیاں.....

اس کی آنکھوں کے سامنے یادوں کا روڈ میپ، اپنے تمام ترسائن بورڈز کے ساتھ پھیلنے لگا.....

''پارو..... پارو.....'' وہ اس نیم روشن کمرے کے کونے میں میز ڈالے، کتابیں پھیلائے بیٹھی تھی، بھوری، سیاہ، سرخ جلد والی کورس کی کتابیں، ٹیبل پر جہاز رلیمپ، لمبے بالوں کی چوٹی بنائے، سر جھکائے وہ ننھی سی قلم چلا رہی تھی جب باہر سے رافعہ اسے پکارتی اندر آئی۔

پارس نے آنکھیں ملیں تکان اتارنے کی ناکام سعی، جھولتی لٹ بالی والے کان کے پیچھے اُڑسی اور پلٹ کر دیکھا۔ شجاع کی تیسرے نمبر کی بہن رافعہ دروازے میں کھڑی تھی۔

''ہاں رافعہ کیسی ہو؟'' وہ زبردستی ذرا سی مسکرائی۔

''بالکل ٹھیک، پتا ہے، بھائی پہنچ گیا برطانیہ.....'' اس نے دوسری سانس ہی نہیں لی اور ''نئی خبر'' اگل کر میز کے کنارے پر آ ٹکی۔

''اچھا..... اچھی بات ہے۔'' اس کی جبری مسکراہٹ پھیکی پڑ گئی۔ آنکھوں میں مبہم سا تاثر تھا جسے معلوم نہ ہو کہ اسے خوش ہونا چاہیے یا ناخوش.....

''آج صبح پہنچا ہے، بس ایک منٹ کی کال کی، جلدی جلدی خیریت بتائی اور ہم سب کی خیریت پوچھی اور فون بند کر دیا۔ ہاں تمہارا بھی پوچھا تھا۔''

''ہوں.....'' وہ سر ہلا کر اپنے کھلے رجسٹر کو دیکھنے لگی۔ رافعہ بے نیازی سے بولے جا رہی تھی۔

''پتا ہے وہاں یہ اونچی، اونچی عمارتیں ہوتی ہیں، بھائی تو بڑا خوش ہے، کہہ رہا تھا کہ آرام سے سیٹل ہوجائے پھر خط لکھے گا اور فون بھی کرے گا۔ پیسے بھی روانہ بھیجے گا۔ ہمارے تو دن پھر جائیں گے۔''

''آمین.....!'' وہ رجسٹر کے صفحے کا کنارہ کُریدنے لگی جیسے رافعہ سے نگاہ نہ ملانا چاہتی ہو۔ مبادا اندیشہ ہو کہ اس کی نگاہوں کا تاثر تک وہ نوٹ کر

روشنی

حضرت ابراہیم تیمیؒ نے موسیٰ بن تیران کو اُن کے انتقال کے بعد خواب میں دیکھا اور ان سے اللہ تعالیٰ کے سلوک کے بارے میں سوال کیا۔

انہوں نے جواب دیا۔ ''جب سے مرا ہوں، اُمرا کی ضیافتوں کا جواب دے رہا ہوں اور ایک سوئی کے بدلے قید میں ہوں، جو میں نے مستعار لی تھی اور واپس نہیں کی تھی۔'' پھر میں نے دریافت کیا۔ ''کون سی قبروں میں روشنی ہے؟'' آپ نے فرمایا۔ ''دنیا میں مصیبت زدگان کی قبروں میں روشنی ہے۔''

مرسلہ: عنبر وسیم، گوجرانوالہ

کے بھائی کو بتائے گی۔

''اماں کہہ رہی تھی، پہلے گھر کا پلستر کروائیں گے۔ پھر نیا سامان ڈلوائیں گے، اوپر کا پورشن بھی نیا بنوانا ہے، بھائی کی جب شادی کریں گے تب تک وہ پورشن بھی تیار ہوگا۔ ہائے پتا نہیں اب بھائی کسی گوری کو بیاہ نہ لائے۔ ویسے لے بھی آئے تو کوئی حرج تو نہیں۔ ہماری تو پورے محلے میں ٹور بن جائے گی۔''

''آہو.....! جیسے گوریاں تو انتظار میں تھیں ناں کہ کب تیرا غریب، سوکھا سڑا بھائی غیر قانونی طریقے سے اُدھر آئے اور وہ اس پر قبضہ کرلیں۔'' فیروزہ مائی نے گزرتے ہوئے سن لیا اور دروازے سے گردن نکال کر تبصرہ کرتی یہ جا وہ جا۔

پارس نے قدرے گڑبڑا کر رافعہ کو دیکھا مگر اس نے تنفر سے ہونہہ کر کے سر جھٹکا۔

''لوگوں سے بھی ناں کسی کی خوشحالی ہضم نہیں ہوتی۔ جل ککڑے نہ ہوں تو۔'' وہ پارس پہ ایک گہری نظر ڈال کر بولی جیسے زیرِ عتاب صرف فیروزہ مائی نہ ہو بلکہ پارس بھی ہو۔

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

''فکر نہ کرو، انشاء اللہ سب اچھا ہو جائے گا۔'' وہ نرمی سے بولی۔ رافعہ کے لبوں پہ تمسخرانہ مسکراہٹ امڈ آئی۔

''ابھی تم دیکھنا، ہمارے دن کیسے پھرتے ہیں، جب نیا ٹی وی لے کر آئیں گے تو سارے ایرے غیرے ہمارے دروازے پر کھڑے ہوں گے، ڈرامے کے وقت، پر اب تو میں اِدھر کسی کو منہ بھی نہیں لگاؤں گی' ہونہہ..... جلتے ہیں سب۔'' وہ جیسے آئی تھی ویسے ہی چلی گئی۔

بک شیلف پہ ابھرے عکس میں ہلچل مچی تھی۔ پارس نے چونک کر دیکھا۔ باہر فائز آتا دکھائی دے رہا تھا۔ ایک فائل کھولے مصروف سے انداز میں چلتا ہوا اس سے پہلے کہ وہ اندر آتا، سیکرٹری نے اسے روک دیا اور وہی کچھ کہا جو وہ منتظر بیٹھے پہلے ملاقاتی کو کہہ چکی تھی۔ فائز ذرا حیران ہوا پھر اس نے کچھ کہا جس پر سیکرٹری نے انٹر کام اٹھایا۔

''جی.....؟'' پارس نے بزر بجنے پر ریسیور کان سے لگایا۔

''فائز صاحب کو کچھ ڈاکومنٹس پہ.....''

''انہیں بھیج دیں۔'' اس نے یہ کہہ ریسیور رکھ دیا۔ سیکرٹری نے سر ہلایا، فائز دروازہ کھول کر اندر آیا۔ شجاع کے چہرے پر الجھن تھی مگر وہ بیٹھا رہا۔

پارس اپنی گھومنے والی کرسی پر مڑی اور یوں چہرہ سامنے کو ہوا۔ باہر شجاع نے امید افزا نگاہوں سے اسے دیکھا۔ ذرا سا آگے کو ہوا مگر وہ فائز کی طرف متوجہ تھی جو میز پر جھکا کھڑا، اس کے آگے فائل رکھ رہا تھا۔

''میم، میں نے اسے ریویو کر لیا ہے، آپ دستخط کر دیں۔'' پارس نے ہولڈر سے سبز پین نکالا اور ایک کے بعد ایک دستخط کرنے لگی۔ فائز نے جھکے جھکے پارس کا چہرہ غور سے دیکھا پھر پیچھے مڑ کر شجاع کو پھر دوبارہ پارس کو۔

''میم، آپ مصروف تھیں، شاید مس سعدیہ نے آپ کو آگاہ نہیں کیا، آپ کے کزن شجاع ملاہی [illegible] ہوئے ہیں۔ انہوں نے ریسیپشن پر بتایا تھا کہ وہ آپ کے کزن ہیں، کیا میں جاتے ہوئے انہیں اندر بھیج دوں؟''

دستخط کرتا ہوا پارس کا ہاتھ رکا، اس نے نگاہیں اٹھا کر فائز کو دیکھا، خاموش مگر گھورتی ہوئی نظر۔

''سوری میم!'' وہ گڑبڑا گیا۔ اس کی آنکھوں کا سحر اور جلال..... فائز نے سر جھکا دیا۔ پارس دوبارہ دستخط کرنے لگی۔

''تھینکس.....'' کام ختم ہوا، فائز نے فائل اٹھائی اور نگاہ ملائے بغیر باہر نکل گیا۔ البتہ جاتے ہوئے اس نے ایک گہری نظر شجاع پر ضرور ڈالی تھی۔

پارس دوبارہ ٹائپنگ جاری کرتی مگر اس دوران فون آ گیا۔ اسے ہوٹل کے ایک رہائشی بلاک کا وزٹ کرنا تھا، وہاں تعمیراتی کام جاری تھا اور اسے کچھ تبدیلی کرنی تھی۔ وہ اپنا پرس، فون اور گلاسز اٹھائے اپنے آفس سے باہر نکلی۔ گلاسز گریبان میں اٹکاتے ہوئے اس نے باہر بیٹھے شجاع کو دیکھا جو فوراً اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

''جی شجاع، آپ اِدھر کیسے..... خیریت؟'' سپاٹ سنجیدہ لہجے میں وہ بولی۔ جیسے لمحے بھر کو رکی ہو اور جانے کی جلدی ہو۔

''جی میں..... آپ سے ملنے.....'' پون گھنٹے کے انتظار نے اس کو کافی ڈل کر دیا تھا۔

''کوئی آفیشل کام تھا آپ کو؟''

''نہیں، میں آپ کے گھر آنا چاہتا تھا تائی..... تائی سے ملاقات ہو جائے گی۔''

''شیور، وہ اس وقت گھر پر ہیں، آپ وہاں جا سکتے ہیں، مجھے ابھی کام سے جانا ہے۔ بائے۔'' وہ بنا جواب کا انتظار کیے آگے بڑھ گئی۔

شجاع نے بے بسی و مایوسی سے اسے جاتے دیکھا اور سر جھٹکا۔ ان کے درمیان خلیج نہیں تھی، خلا تھا۔

☆☆☆

مخروطی چھت اور ستونوں والا برآمدہ شام کی نیلی چھایا اور زرد بلب کی روشنی میں دمک رہا تھا۔ دوپہر میں بارش ہوئی تھی اور مخروطی چھت کے کنارے ابھی تک ٹپک رہے تھے۔ ایسے میں فیروزہ مائی بگڑے تیوروں کے ساتھ کھڑی، موبائل پہ کوئی نمبر ملا رہی تھی، اس کے سامنے لہلہاتا سبزلان پھیلا تھا اور گیٹ کے باہر نشیب میں جاتی سڑک' اونچے پہاڑ اور کھائیاں سب نظر آ رہا تھا مگر وہ ہر شے سے بیزار فقط فون کی طرف متوجہ تھی۔

''ہاں، ہیلو شکیل ہاں بیٹا، کیسا ہے تو؟'' وہ مجھے چہرے کے ساتھ رابطہ ملنے پر پوچھنے لگی۔

''میں ٹھیک ٹھاک..... مگر تیرے حالات اچھے نہیں لگ رہے امی؟''

''نہ پوچھ میری..... شکیل بیٹا میری تو قسمت پھوٹی تھی جو اس کے رحم و کرم پہ پڑی ہوں، مرن جوگی، مجھے نوکرانی سے زیادہ عزت نہیں دیتی۔'' وہ برآمدے میں آگے پیچھے ٹہلتی دبے دبے غصے سے بول رہی تھی۔

''نہ کر امی، تجھے اور وہ پارو، عزت نہ دے؟ بات دل کو لگتی نہیں ہے..... تیرے سامنے تو وہ چوں تک نہیں کرتی تھی۔''

''آہو..... اور اب بک' بک بھی کرتی ہے، تو نے پارو کی زبان نہیں دیکھی، ایسے گھورتی ہے لگتا ہے سالم نگل جائے گی، مجھے تو اب سچی بہت ڈر لگتا ہے اس سے۔'' فیروزہ مائی نے جیسے جھرجھری لی۔

''باتیں نہ بنا امی..... مجھے پتا ہے تو ایسی کہانیاں صرف اس لیے سناتی ہے تاکہ میں پیسوں کے لیے اصرار نہ کروں۔ میں ان باتوں میں نہیں آنے والا۔''

''شکیل' تو کیا کہہ رہا ہے۔'' فیروزہ مائی صدمے سے ساکت کھڑی رہ گئی۔ چند لمحے وہ کچھ بول نہ سکی۔ پھر وہیں برآمدے کی ایک سیڑھی پر نڈھال سی بیٹھ گئی۔ ''بیٹے' میں نے تیرے لیے کتنے پاپڑ بیلے ہیں، کتنی مصیبتیں جھیلی ہیں اور تو مجھ پہ الزام لگا رہا ہے؟''

''ہاں تو ہر وقت تو رٹ لگائے رکھتی ہے کہ دبئی بلاؤ، دبئی بلاؤ۔ وہاں عیش سے پڑی ہے، نوکر چاکر ہیں، اِدھر آ کر کیا کرے گی؟''

''تو آنکھوں کے سامنے تو ہو گا ناں، تیرے پاس ہوں گی، تیرا خیال رکھوں گی اور اِدھر کیا پڑا ہے۔ یہ پارو اب ویسی نہیں رہی۔ گن گن کر نوٹ دیتی ہے۔ کھانے پینے کی آزادی ہے بس مگر مرغی کھا کھا کر بھی انسان تنگ آ جاتا ہے۔ ساری دولت پہ سانپ بن کر بیٹھی ہے اور.....''

''امی وہ سونے کے انڈے دینے والی مرغی ہے، وہ پارس ہے، پارس۔ اس کے پاس رہنا ہی تیرے فائدے میں ہے۔ زور زبردستی اپنے لیے بھی نکلوایا کر اور میرے لیے بھی۔'' وہ بے پروائی سے بول رہا تھا۔ فیروزہ مائی زچ ہو گئی۔

''کب سے بکے جا رہی ہوں، وہ نہیں دیتی۔ چند ہزار ہوتے تب بھی شاید دے دیتی مگر جتنے تو مانگ رہا ہے، وہ کبھی نہیں دے گی۔''

شکیل خاموش ہو گیا۔ چند ساعتیں شام کی نیلاہٹ میں ڈوبے برآمدے میں سناٹا رہا، پھر ائر پیس سے آواز ابھری۔

''پارو اتنی کیسے بدل گئی ہے؟''

''مجھے کیا پتا..... ہمیشہ ڈر رہتا تھا کہ اس کی زبان نہ کھل جائے کہیں۔ کالج ختم ہوا، تب بھی اعتماد آ گیا تھا مگر میرے سامنے مجال تھی جو چوں بھی کرے، میں آنکھیں دکھاتی تو وہ سہم جاتی، سر جھکا دیتی مگر کیڑے پڑیں اس بڈھے کی قبر میں، جب سے اس نے پارو سے شادی کی، اسے بدل کر رکھ دیا۔ اس کی زندگی میں ہی یہ مجھ سے زبان چلانے

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

اور رعب جمانے لگ گئی تھی، اس کے مرنے کے بعد تو اور شیر ہوگئی ہے۔'' فیروزہ مائی کو تو سامع درکار تھا۔ بولنے لگی تو بولتی چلی گئی۔

''ناں تو یہ پارو اکڑتی کس چیز پہ ہے؟ شوہر تو مر گیا اور بس ایک ہوٹل ہی نام کر گیا ہے۔'' فیروزہ مائی اس کی کم عقلی پہ بلبلا اٹھی۔

''تو نے وہ ہوٹل دیکھا نہیں ہے، وہ بادشاہوں کا ہوٹل .... اور ایک نہیں تین ہوٹل نام کر کے گیا ہے بڈھا۔''

''تین ہوٹل؟'' شکیل حق دق رہ گیا۔

''ہاں، اس کے مرنے کے بعد وکیل آیا تھا، اسی نے بتایا تھا۔ میں نے خود دروازے کے پیچھے سے سنا تھا۔''

''ہوں..... تین ہوٹل..... اب تو کچھ سوچنا پڑے گا۔'' وہ بات کرتے کرتے کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا تھا۔ فیروزہ کو اچنبھا ہوا۔

''تو ہم کیا اچار ڈالیں گے اس کے ہوٹلوں کا؟''

''اچار ہی تو ڈالیں گے اور ہم ہی ڈالیں گے۔ تو بس آرام سے اُدھر رہ...اور مزید پارو سے پیسے مانگنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اب جو کروں گا میں کروں گا۔''

''تو کیا کرلے گا؟''

''بس تو دیکھتی جا اماں۔'' فون بند ہو چکا تھا۔ فیروزہ مائی نے حیرت سے موبائل کو دیکھا۔

''یہ شکیل بھی ناں، الٹی کھوپڑی کا مالک ہے۔ پتا نہیں کیا، کیا سوچتا رہتا ہے..... پر جو بھی سوچے گا، اچھا ہی سوچے گا۔'' اس نے خود کو تسلی دی۔ البتہ جیسے بارش کے قطرے ابھی تک چھت کے کناروں سے ٹپک رہے تھے، ویسے ہی فیروزہ مائی کی پیشانی پہ تفکر کی لکیریں ابھری تھیں۔

☆☆☆

وہ سامنے لان کو دیکھتے ہوئے ذہن میں شکیل سے کی گئی باتیں دُہرانے لگی۔ رضوان حیات ہاں ان سے شادی کے بعد پارو بدلنے لگی تھی۔

گھاس پہ بارش کے قطرے ابھی تک ٹھہرے تھے جیسے سبز چادر پہ ننھے ننھے ہیرے بکھرے ہوں۔ ان ہیروں کی منعکس کردہ روشنی میں تصاویر بنتی چلی جارہی تھیں۔ فیروزہ مائی کی نگاہیں ان پہ جمی تو جیسے ان کے اندر تک سفر کرتی گئیں۔ تہ در تہ..... دور اندر تک.....

بارش اب جا کر تھمی تھی اور اس چھوٹے سے لونگ روم میں صوفے پر پیر اوپر کر کے بیٹھی فیروزہ مائی کھڑکی سے باہر گرتے آخری قطرے دیکھ رہی تھی۔ اس کی پیشانی پہ بل تھے اور وہ منہ ہی منہ میں کچھ بدبدا رہی تھی۔

''..... اچھے بھلے پنڈی میں رہتے تھے، اپنا مکان تو تھا، وہاں تو پارو بھی نوکریاں کر لیتی مگر مت ماری گئی تھی میری، جبھی زیادہ تنخواہ کا سن کر ادھر مری آ گئی اس کے ساتھ، ہا.....'' اس نے آہ بھری۔

''میں نے بھی سوچا تھا، ہوٹل والے چھوٹا سا پورشن دے رہے ہیں اور پھر اتنی تنخواہ اور خوب صورت جگہ..... مجھے کیا پتا تھا یہاں یہ ہڈیاں جمانے والی سردی ہوگی اور یہ بارش بھی، نہ دن دیکھتی ہے نہ رات، ہر وقت برسنے کو تیار، نرا عذاب ہے۔''

تولیے سے گیلے بال تھپتھپاتے ہوئے باہر آتی پارس نے اس کے الفاظ سن لیے تھے۔ اس نے سارے بالوں کو لپیٹ کر آخری دفعہ دبا کر پانی نکالا اور تولیا صوفے کی پشت پہ ڈالتے ہوئے بولی۔

''خدا کی رحمت ہوتی ہے بارش، امی تم اسے عذاب تو مت کہو۔''

''زیادہ درس تدریس نہ شروع کر دیا کر۔ اپنا کام کر۔'' فیروزہ مائی نے اسے جھڑک دیا۔ وہ خاموش ہوگئی۔ پھر گیلے بالوں کو انگلیوں سے سنوارتی، آتش دان کے سامنے آئی اور اندر لگے ہیٹر کو ذرا سا تیز کیا۔

''تیرے صاب نے بتایا نہیں، کب دے گا پیسے؟''

''وہ نہیں دیں گے۔'' وہ فیروزہ کی جانب پشت کیے آتش دان کے سامنے کشن رکھ کر بیٹھ گئی اور ہاتھ ہیٹر کے قریب کر کے گرم کرنے لگی۔

''تو کل میرے جانے کے بعد وہ یہ کہہ رہا تھا؟''

''جی۔'' وہ ذرا سے گرم ہوئے ہاتھ آپس میں رگڑ کر جیسے اندر جمے خون کو پگھلانے لگی۔ اس کی بالیاں کانوں میں نہیں تھیں اور گیلے بال پشت پہ پھیلے تھے۔ ہیٹر کی گلابی دہکتی روشنی میں اس کی سانولی رنگت جیسے روشنی منعکس کر رہی تھی۔

''ہاں تو تو دوبارہ بات کر، کہہ کہ ضرورت ہے۔ منت کر۔''

''اچھا کہوں گی۔''

''دیکھ پارو، میرے سامنے ٹالنے کے لیے نہ کہہ، سچ مچ ان سے بات کرنی ہے تجھے۔'' وہ تیوریاں چڑھائے تیز لہجے میں بولی۔ ''اُدھر میرا بچہ ہلکان ہوا جا رہا ہے اور اِدھر تو ہے جسے پروا ہی نہیں۔ عدہوتی ہے خود غرضی کی بھی۔''

دہکتی روشنی میں چمکتا سانولا چہرہ جھک گیا۔ چند لمحے پہلے کا فریش سا احساس ماند پڑ گیا۔ اسی لمحے ڈور بیل نے جیسے مردہ ماحول کو زندگی بخشی۔ دونوں چونکیں۔

''امی باہر دیکھ لو۔ شاید وہ تمہاری نئی سہیلی ہو۔''

''آہو، اس کو بھی ابھی آنا تھا۔'' فیروزہ مائی بڑبڑاتی ہوئی اٹھی اور باہر آئی۔ وہاں سوٹ میں ملبوس ایک نوجوان کھڑا تھا۔ اس نے چھتری بند کر کے ہاتھ میں پکڑ رکھی تھی۔

''ہاں جی، کس سے ملنا ہے؟''

''آپ مسز فیروزہ ہیں؟ مس پارس کی والدہ؟'' اس نے شائستگی سے استفسار کیا۔

''مسز..... ہاں، میں ہوں۔ کیا کام ہے؟''

''میں رضوان صاحب کا اسسٹنٹ ہوں، یہ انہوں نے بھجوایا ہے۔'' اس نے کوٹ کے اندر سے ایک پھولا ہوا خاکی لفافہ نکال کر اس کی طرف بڑھایا۔

''یہ.....'' فیروزہ مائی ہکا بکا کھڑی رہ گئی۔

''پانچ لاکھ ہیں، آپ گن کر تسلی کر لیں۔'' اب کہ فیروزہ نے جھپٹ کر لفافہ پکڑا اور جلدی سے اسے کھولا۔

''کون ہے امی؟'' پارس آوازیں سن کر اچنبھے سے پوچھتی آگے آئی تو سامنے کا منظر اپنی وضاحت خود کر رہا تھا۔ رہی سہی کسر فیروزہ مائی کے دبے دبے جوش سے کہے فقرے نے پوری کر دی۔

''بڑے صاب نے بھیجے ہیں، پورے پانچ لاکھ..... لے، جلدی سے گن کر اسے فارغ کر دے۔'' اس نے اندر سے نوٹوں کی گڈیاں نکال کر پارس کو تھمائیں۔ وہ جیسے سانس تک لینا بھول گئی تھی۔

''رضوان صاحب نے.....'' اس نے نوجوان سے پوچھنا چاہا مگر الفاظ ساتھ چھوڑ گئے۔

''میں جاؤں، میم؟'' وہ اس عجیب سی سچویشن سے ہٹنا چاہ رہا تھا۔

''ایسے کیسے، پیسے تو گن لینے دو۔ کسی کا کیا بھروسا؟'' فیروزہ چمک کر بولی۔

''گن بھی سہی۔'' پھر پارس کو ٹہوکا دیا۔

وہ شاک سے نکل کر شرمندگی میں ڈوب چکی تھی۔

''آپ جائیے، بہت شکریہ!'' اس نے ندامت بھری مسکراہٹ کے ساتھ اسے رخصت کر کے دروازہ بند کیا۔ اس کا چہرہ پھیکا پڑ چکا تھا اور آنکھوں میں بے پناہ یاسیت تھی۔ ''کیا سوچتے ہوں گے رضوان صاحب میرے بارے میں۔''

''بس کر، تو، تو کہہ رہی تھی وہ نہیں دے گا۔ دیکھ اس نے تو فوراً بھجوا دیے۔ اب تو بس جلدی، جلدی قرضہ اتار دینا..پھر آگے بھی قرضہ ملتا رہے گا۔''

''بس کر دو امی۔'' وہ پھٹ پڑی تھی۔ آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔ ''ہم یہ پیسے نہیں رکھیں گے۔ میں یہ کل انہیں واپس کروں گی، ہم....''

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

''چل ہٹ۔'' فیروزہ مائی نے گڈیاں واپس کھینچیں۔ ''میں خود گن لوں گی۔ آئی بڑی، واپس کرنے والی، ہونہہ۔''

''امی خدا کے لیے..... اتنا بڑا قرضہ..... میں کیسے اتاروں گی..... کتنے مہینے لگ جائیں گے بغیر تنخواہ کے..... ہم شکیل کو یہ سب بھیج دیں تو خود کیا کھائیں گے؟''

''تو تُو ڈبل شفٹ کر لینا، فارغ وقت میں کوئی اور نوکری کر لینا، اب زیادہ بحث نہ کر۔ ہٹ مجھے گننے دے۔'' وہ صوفے پہ بیٹھ کر پوری دلجمعی سے انگلی پہ تھوک لگا کر نوٹ گننے لگی۔ پارس بے بسی سے اس کی طرف پشت کر کے کھڑی ہو گئی۔ وہ یقیناً اپنے آنسو چھپا رہی تھی۔

نوٹ گنتے ہوئے فیروزہ مائی نے ذرا کی ذرا نگاہ اوپر اٹھائی۔ پارس کی پشت پہ گرے بالوں کے سرے ٹپک رہے تھے۔ ننھے ننھے ہیروں جیسے قطرے..... ٹپ ٹپ..... گھاس پہ بکھرے ننھے موتی..... شام کا ڈوبتا ماحول.....

کسی پرندے کی آواز بلند ہوئی تو فیروزہ مائی جیسے نیند سے ہڑبڑا کر جاگی۔

وہ ابھی تک برآمدے کی سیڑھی پر ہی بیٹھی تھی۔ شکیل سے کی گئی گفتگو اور رضوان حیات کے بھیجے گئے پیسے، دونوں باہم گڈمڈ ہو گئیں تو وہ سر جھٹک کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

''ہا.....'' اس نے گہری سانس بھری۔ ''جو بھی تھا، بڈھا تھا اچھا آدمی۔'' خود سے کہہ کر، ستونوں، دیواروں اور گھاس پہ لدے قطروں کو سنا کر وہ اندر کی جانب بڑھ گئی۔ پیچھے مغرب میں ڈوبتا برآمدہ تنہا رہ گیا۔

☆☆☆

آج پھر صبح میں ان وادیوں پہ بارش برسی تھی، پہاڑیاں نہا دھو کر تازہ سبز نکل آئی تھیں۔ بل کھاتی سڑک ابھی تک گیلی تھی جس پہ پارس کی سیاہ چمکتی کار دوڑ رہی تھی۔

وہ کہنی آرم ریسٹ پہ ٹکائے، انگلی سے اپنی ابرو کو چھیڑتی، کسی خیال میں کھوئی، باہر دیکھ رہی تھی، ونڈ شیشے سے پہاڑ، بادل، گہری کھائی سب صاف دکھائی دیتا تھا..... مگر اس کی پُرکشش، اداس آنکھیں جیسے دور کچھ تلاش کر رہی تھیں۔ ان میں تکان تھی، ٹھہراؤ تھا، راز تھے مگر خوشی نہیں تھی، خوشی کہیں بھی نہیں تھی۔

جانے کب یہ ہوا، کیسے ہوا کہ اس کی آنکھ کے کنارے سے ایک آنسو ٹوٹ کر گرا۔ نمی چہرے پہ پھسلتی گئی تو پارس نے چونک کر سامنے دیکھا۔ ڈرائیور سامنے دیکھتے ہوئے خاموشی سے ڈرائیو کر رہا تھا۔ وہ اس کی طرف متوجہ نہیں تھا یا نہ ہونے کی اداکاری کر رہا تھا۔ پارس نے پیچھے رکھے ٹشو باکس سے ایک ٹشو نکالا اور اسے دو تہیں لگا کر آنکھ کا کونہ پونچھا..... پھر ذرا سا بھیگا ٹشو ہتھیلی میں دبا لیا۔ لمحے بھر کے جل تھل کے بعد وہ دوبارہ سے کمپوزڈ ہو گئی تھی۔ ٹھنڈی، پُرسکون..... پارس.....

فون کی گھنٹی نے ماحول میں ارتعاش پیدا کیا۔ پارس نے بنا چونکے، آرام سے فون اٹھایا اور کان سے لگایا۔

''جی سنیعہ؟'' دوسری جانب اس کی سیکریٹری تھی۔

''میم، سوری میں آپ کو ڈسٹرب کر رہی ہوں۔ دراصل مسٹر شجاع طاہر کی کال آئی تھی۔''

پارس کے اعصاب تن گئے، وہ ذرا سی سیدھی ہوئی۔ آنکھ کے خشک کنارے کو چھوا۔ پھر مٹھی میں بند ٹشو کو دیکھا جیسے اس ایک قطرے کی بارش کی وجہ وہ ہو جس کا ذکر کیا جا رہا تھا۔

''کیا کہہ رہے تھے وہ؟''

''آپ سے ملاقات کے لیے اپائنٹمنٹ لینا چاہ رہے تھے۔ میں آپ کا شیڈول چیک کرنے

اور ان کو کوئی بھی slot دینے سے قبل آپ سے پوچھنا چاہتی تھی کہ آپ کب ان سے ملنا چاہیں گی؟''

پارس نے گہری سانس اندر کو کھینچی، مٹھی ذرا سی کھول کر اندر مچڑے ٹشو کو دیکھا اور کچھ بھی کہنے سے قبل وہ اس ٹشو کو دیکھتی رہی، دیکھتی رہی، دیکھتی رہی..... یہاں تک کہ تہ شدہ ٹشو ایک تہ شدہ کاغذ میں تبدیل ہوتا گیا..... اور آس پاس کی ساری تفصیل بھی مٹ کر ایک نئی شناخت..... پہنتی گئی۔

ان مٹ کہانیاں..... لازوال یادیں.....

رافعہ تیز تیز قدم اٹھاتی صحن عبور کر کے برآمدے کے سرے پہ آئی، اپنی مٹھی میں تہ شدہ کاغذ کو دیکھا اور پھر زور سے آواز لگائی۔

''پارو..... تائی..... کوئی ہے؟''

دوسری پکار کی نوبت نہیں آئی اور اندر سے وہ سلور بالیوں والی لڑکی آتی دکھائی دی جس کے چہرے پر عجیب سی فکرمندی تھی۔

''کیا ہوا رافعہ؟ اس وقت؟'' ساتھ ہی بالیوں والی لڑکی نے صحن میں چلچلاتی دھوپ کو دیکھا۔

''یہ لو..... تمہارا پیام آیا ہے۔'' رافعہ اسے دیکھ کر نخوت سے مسکرائی اور تہ شدہ کاغذ اس کی طرف بڑھا دیا۔

''کیا؟'' الجھن سے پارس نے کاغذ تھاما مگر کھولا نہیں، بس سوالیہ نگاہوں سے رافعہ کا چہرہ تکنے لگی جس پہ اب ایک طنزیہ مسکراہٹ امڈ آئی تھی۔

''اب ایسے تو مت کہو جیسے تمہیں پتا ہی نہیں ہے۔ بھائی کو پابند تو کیا ہی تھا ناں تم نے، تبھی تو اس نے تمہیں خط لکھا۔ اب خود دیکھو، کیا اچھا لگتا ہے کہ ایک ہی لفافے میں ایک خط ہم سب کے لیے ہو اور ایک صرف تمہارے لیے۔''

پارس نے الجھی نگاہوں سے کاغذ کو دیکھا۔ پھر نفی میں گردن ہلائی۔ ''یہ..... مجھے نہیں پتا اس نے کیوں لکھا..... شاید کوئی ضروری بات ہو۔'' مگر اس نے اب بھی اسے نہیں کھولا۔ جیسے سمجھنے سے قاصر ہو کہ اسے وہ کھولنا چاہیے یا نہیں۔

''آہو، بڑی ضروری بات ہے ناں۔'' اندر سے آتی فیروزہ کو دیکھ کر وہ مزید بلند آواز میں بولنے لگی۔ ''بھائی نے ہمیں تو خط نہیں لکھا، بس دو سطور میں خیریت پوچھ لی اور لے کر تیری بیٹی کو پورا معاشرتی علوم کا پرچہ لکھ دیا۔ تو بھی تو سن تائی کہ کیا لکھا ہے۔'' پارس نے ''تائی'' اور ''تیری بیٹی'' کے الفاظ پہ چونک کر پیچھے دیکھا۔ کڑے تیوروں سے گھورتی فیروزہ کو دیکھ کر اس کا رنگ سفید پڑتا گیا۔

''وہ کہتا ہے، تجھے یاد کر رہا ہے اور تیرے لیے ضرور واپس آئے گا۔ اور ہاں یہ بھی کہ تیرے لیے کیا بھیجے۔ میں کہتی ہوں بھائی کو گئے دن ہی کتنے ہوئے ہیں اور تو نے فرمائشیں شروع کر دیں؟'' رافعہ کمر پہ ہاتھ رکھے غصے سے بول رہی تھی۔ پارس نفی میں سر ہلاتی کچھ کہنا چاہ رہی تھی مگر الفاظ حلق سے اوپر نہیں آ پائے۔

''تو یہ بتا پارو! خط کتابت کا سلسلہ کب سے چل رہا ہے؟'' فیروزہ مائی غرائی تھی۔

''نہیں..... امی..... میں نے اسے کوئی خط نہیں لکھا، مجھے تو اس کا ایڈریس بھی نہیں پتا۔''

''مطلب تجھے اس کا ایڈریس جاننا ہے تاکہ تو یہ بے حیائی کے کام جاری رکھ سکے؟'' اس کی ہم عمر رافعہ یوں چلا رہی تھی جیسے وہ شجاع کی ماں ہو۔

''نہیں، میرا یہ مطلب.....''

''اِدھر دے۔'' فیروزہ مائی نے خط کھینچا۔ بہت دفعہ کھولا اور پڑھا گیا خط اس نے واپس رافعہ کی طرف اچھالا۔

''اپنے شریف بھائی سے کہہ، آئندہ اس نے خط لکھا تو اس کی شرافت کا جنازہ نکال دوں گی۔ اب دفعہ ہو ادھر سے۔''

''اپنی بیٹی کو کیوں نہیں روکتی جو بھائی کو اکسا کر.....''

''تیری تو.....'' فیروزہ مائی نے پیر سے جوتی

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

اتاری، رافعہ جھپاک سے باہر بھاگی۔

''اور تُو..... کان کھول کر سن لے پارو.....''

ہاتھ میں پکڑی جوتی اس نے پارو کی کمر پہ جڑ دی۔ وہ جو پہلے ہی شل کھڑی تھی، لڑکھڑا کر آگے کو گری اور منہ کے بل کچے پکے فرش پہ جا لگی۔ ہونٹ میں تکلیف کا سوا ہوتا احساس اور گیلا پن، اسے سب کچھ محسوس ہوا تھا۔

''آئندہ میرے گھر سے خط کتابت کی ناں تو اچھا نہیں ہوگا۔ پہلے تو اس مرن جوگے سے چھت پہ ملتی تھی، اب وہ دفعان ہو گیا ہے تو خط شروع ہو گئے۔ آئندہ میں نے اس کا کوئی خط پکڑا تو جان نکال دوں گی تیری۔'' وہ بکتی جھکتی اندر چلی گئی۔ پارس نے ..... اپنا چہرہ اٹھایا تو گالوں پہ مٹی لگی تھی اور ہونٹ سے خون نکل رہا تھا۔ زیادہ نہیں، بس ایک قطرہ لڑھک کر ٹھوڑی سے ٹپکا تھا۔

ایک قطرے کی بارش.....

''میں ان کو فرائیڈے کی دوپہر کا وقت دے دوں میم؟''

پارس بے اختیار چونکی..... پھر جیسے اس کی بات پر غور کیا، لب بھنچ گئے، پیشانی پر ناگوار بل ابھرا۔

''سمیعہ میں اگلا پورا ہفتہ مصروف ہوں، اس لیے انہیں دو ہفتے بعد کا وقت دے دیں۔''

''اوہ..... او کے میم.....!'' حیران اسسٹنٹ نے حیرت چھپا کر تابعداری سے فون بند کر دیا۔ پارس سر جھٹک کر باہر دیکھنے لگی۔ ٹشو اس کی مٹھی میں یوں دبا تھا کہ دکھائی نہ دیتا۔ البتہ اس کی آنکھوں میں اب سپاٹ سی سرد مہری تھی۔ ٹھنڈا، بے تاثر سا احساس.....

جیسے اسے ایک قطرے کی وہ بارش اور اس تمام توہین کا سبب بننے والا شخص ابھی تک یاد تھا۔ کس جذبے سے یاد تھا، یہ اس کی آنکھوں سے پتا نہیں چلتا تھا۔

☆☆☆

فیضان نے گردن اٹھا کر پتھریلی سیڑھیوں کو دیکھا۔ وہ کافی اوپر تک جاتی تھیں۔ اس نے ایک نظر بائیں طرف اونچی ہوتی سڑک پر ڈالی، جس کے اختتام پر پارس کا بنگلا تھا اور دوسری مخالف سمت ڈالی جہاں چند منٹ قبل پارس کی گاڑی گئی تھی۔

فیضان کے چہرے پر اطمینان تھا۔ ہلکی سی مسکراہٹ بھی جیسے وہ مطمئن تھا کہ وہ واپس نہیں آئے گی اب وہ اپنا کام کر سکتا ہے۔ صبح سرسبز اور لہلہاتی سی اتر رہی تھی۔ ٹھنڈی ہوا سرسراتی ہوئی اس کے کانوں سے ٹکرا رہی تھی۔ وہ سب ہوا، پہاڑ، درخت گواہ تھے بھائی جی کی موت کے..... مگر کاش اُن سب کو انسان کی بولی سمجھ آتی یا انسان کو ان کی اور یہ ہمیں اپنے ساتھ بیتنے والے تمام واقعات، دھوکے، سب بتا دیا کرتے۔ ہر شے صاف، صاف معلوم ہو جاتی، نہ لوگ جھگڑتے، نہ جھوٹ بولتے، نہ عدالت میں مقدمے جیتنے کے لیے وکیل ہائر کرتے، کتنا امن، سکون ہوتا، جب کوئی راز، راز نہ رہتا..... مگر شاید اللہ کو ان پتھر اور پتوں پہ انسان سے زیادہ بھروسا ہے، تبھی ان کی گواہی کو اس دنیا میں انسان کے سامنے بیان کرنے اور انسان کا اس کو توڑ موڑ کر اپنے فائدے کے لیے استعمال کر کے اس کی توہین کرنے سے بچانے کے لیے اس نے انہیں قیامت کے بڑے دن تک مؤخر کر دیا ہے کہ جس روز دنیا سے ''راز'' ختم ہو گئے وہ قیامت کا پہلا دن ہوگا۔

وہ قدم قدم سیڑھیاں چڑھنے لگا۔ اونچائی جیسے جیسے بڑھتی ہے، آکسیجن کم ہوتی جاتی ہے، دماغ ذرا دھیرے دھیرے کام کرتا ہے، شاید اسی لیے کسی بلند مقام پر پہنچ کر بہت سے لوگوں کے دماغ خراب ہو جاتے ہیں مگر اس کا دماغ ٹھیک کام کر رہا تھا اور اسے معلوم تھا کہ اسے کیا کرنا ہے۔

سیڑھیوں کے آخر میں لکڑی کا چھوٹا سا جنگلہ نما گیٹ تھا، اس نے ہاتھ بڑھا کر اس کا کنڈا اندر سے کھولا پھر اسے دھکیل کر پارک میں داخل ہوا۔

وہ کافی وسیع و عریض سا پارک تھا۔ درخت، پھول، بوٹے، بینچ ہر کونہ سجا تھا۔ وہاں کھڑے ہو کر اس نے پلٹ کر دیکھا تو پارس کا گھر بالخصوص ٹیرس اور ٹیرس کا فرش تک صاف دکھائی دے رہا تھا۔ وہ اب اس کے گھر سے اونچے لیول پر آ چکا تھا۔

کچھ دیر بعد وہ پارک کے کیئر ٹیکر کے ساتھ ایک بینچ پر بیٹھا تھا۔

''آپ کتنے عرصے سے یہاں کام کر رہے ہیں؟''

''پانچ سال سے، سر.....!'' وہ کہہ کر سوالیہ نظروں سے اس کا چہرہ دیکھنے لگا کہ اس سوال کی وجہ جان سکے۔

''مجھے کچھ معلومات چاہئیں..... کیا آپ دے سکیں گے؟''

''کس بارے میں؟''

''پچھلے دسمبر میں ہونے والے ایک حادثے کے بارے میں۔'' وہ سنجیدگی سے اس کا چہرہ دیکھ رہا تھا، جیسے کیئر ٹیکر کا ایک ایک تاثر اسکین کر رہا ہو۔

کیئر ٹیکر کے چہرے پر الجھن ابھری، بہرحال اس نے سر اثبات میں ہلایا۔

''بتائیے، کون سا واقعہ؟''

''دسمبر میں یہاں سیڑھیوں سے ایک چالیس پچاس برس کا آدمی گر کر فوت ہوا تھا، شاید آپ کو یاد ہو اس نے ہڈ والی جیکٹ پہن رکھی تھی، اس کے بال.....''

''آپ رضوان حیات کی بات کر رہے ہیں؟''

فیضان رک گیا پھر ایک گہری سانس بھری۔

''آپ رضوان حیات کو جانتے ہیں؟''

''انہیں کون نہیں جانتا، وہ رائل ہوٹل کے مالک تھے اور اپنی وفات سے دو ماہ پہلے سے اس سامنے والے گھر میں رہائش پزیر تھے۔'' ساتھ ہی بنگلے کی طرف اشارہ کیا..... فائز نے سر ہلا دیا۔

''انہوں نے کسی جوان لڑکی سے شادی کی تھی جو اُن کے ہوٹل میں کام کرتی تھی، اکثر وہ دونوں اس پارک میں آیا کرتے تھے۔''

''کیا آپ کی اُن سے سلام دعا تھی؟''

''بالکل، وہ بہت مہربان آدمی تھے، میں ذرا سا اُن کے آگے پیچھے پھرتا اور وہ مجھے بھاری ٹپ دے کر جایا کرتے تھے، ہمیشہ مسکرا کر ملتے، مجھ سے پوچھتے کہ یہاں مجھے کوئی مسئلہ تو نہیں ہے کبھی ہو تو میں اُن کو بتاؤں۔'' کیئر ٹیکر دور افق کو دیکھتے ہوئے دکھ سے کہہ رہا تھا۔ ''اور اگر مجھے کوئی مسئلہ ہوتا تو میں واقعی اُن کو بتا بھی دیتا، کچھ لوگ اتنے مہربان ہوتے ہیں کہ ان کو اپنے مسائل بتاتے ہوئے انسان کو نہ شرم آتی ہے اور نہ ہی غیرت.....''

فیضان نے اس کی نگاہوں کے تعاقب میں افق پہ دیکھا، جہاں اونچی پہاڑیوں نے خود کو بادلوں کی شال میں لپیٹ رکھا تھا۔ نیلا آسمان، سفید بادل، سبز پہاڑیاں، بھوری زمین، قدرت کا بہترین کلر کمبینیشن..... اس کی نگاہیں اس نظارے سے ہٹ ہی نہیں رہی تھیں۔ بادل رازوں کی طرح لگتے تھے، ہوا سے پتلے مگر سارا منظر چھپائے ہوئے..... اس نے ان کے پیچھے دیکھنا چاہا اور یکا یک جیسے نرم گالوں میں سوراخ ہونے لگے، چھوٹی چھوٹی کھڑکیوں سے پیچھے ایک اور منظر جھانکنے لگا۔ فیضی نے اس منظر کو پکڑنے کی سعی کی، ہاتھ نہیں بڑھایا، نگاہ بڑھائی، دور، بہت دور.....

وہ لمبا، ٹین ایج لڑکا کبھی دائیں، کبھی بائیں بھاگتا، ریکٹ سے شٹل کاک دوسری جانب بھیج رہا تھا۔ دوسرا کھلاڑی اسی مستعدی سے اسے واپس کرتا..... ٹک ٹک..... شٹل کاک کے ریکٹ کی جالی سے ٹکرا کر ہوا میں غوطہ کھانے کی آواز اور ٹین ایج لڑکے کے تیز تنفس کی آہٹ..... بیسیوں لوگوں کے مجمع کے باوجود بیڈمنٹن کورٹ میں چھائے پن ڈراپ سائیلنس کو توڑ رہی تھی۔ میچ آخری اور سنگین مرحلے میں داخل ہو چکا تھا۔ ہر پوائنٹ پہ تالیاں

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

بجتیں..... شور اٹھتا، پھر خاموشی چھا جاتی۔

ریکٹ جھلا کر چڑی کو مار کر ٹین ایج لڑکے نے فخریہ انداز میں فرنٹ رو کی طرف دیکھا، جہاں رضوان حیات بیٹھے تھے اور... اسے دیکھتا پا کر وہ دھیرے سے مسکرائے اور ہاتھ سر سے اوپر اٹھا کر تالی بجائی، ساتھ بیٹھے تنویر صاحب نے بھی مسکراتے ہوئے اس عمل کی تقلید کی، فیضی مسرت آمیز سا کھیل کی طرف متوجہ ہو گیا۔

مقابلہ کرنے کی ہمت اور جیت کا جذبہ انسان کو skill سے نہیں، لوگوں کی مورل سپورٹ سے ملا کرتا ہے، یقین اور مکمل یقین انسان کو ہارنے نہیں دیتا۔ دے ہی نہیں سکتا، فیضی بھی نہیں ہارا..... وہ جیت کر ہی پہلی قطار کی کرسیوں کی جانب آیا۔

پسینے میں تر بتر، ماتھے سے بینڈ اتارتا، ریکٹ رکھ کر وہ مسکراتا ہوا بھائی جی سے گلے ملا جو اُس کے لیے کھڑے ہو گئے تھے، علیحدہ ہو کر انہوں نے اس کا شانہ تھپتھپایا۔

''بہت شاندار..... مجھے تم پر فخر ہے۔''

فیضی نے بنا آستین کی اسپورٹس شرٹ پہن رکھی تھی، اسے اپنے پسینے میں بھیگے شانے کو تھپکتا بھائی جی کا ہاتھ بہت گرم لگا تھا۔ خیر..... یہ اس وقت اہم نہیں تھا۔

''مجھے لگا تھا آپ نہیں آئیں گے۔''

''یہ کیسے ہو سکتا تھا؟ تمہارے میچ میں نہ آتا تو خود کو معاف نہ کر پاتا۔'' وہ مہربان انداز میں مسکرائے، لڑکے نے مصنوعی خفگی سے بھویں اچکائیں۔

''صرف میچ.....؟''

''نہیں، صرف میچ نہیں، پہلی برتھ ڈے۔'' وہ پھر سے مسکرائے، انہیں یاد تھا مگر اُن کی مسکراہٹ میں نقاہت تھی، خیر یہ بھی اس وقت اہم نہیں تھا۔

''تھینک یو..... پھر کیا دے رہے ہیں آپ مجھے برتھ ڈے پر؟'' اس کے بے پروا، عجلت بھرے انداز پہ تنویر صاحب نے لب کاٹا اور نفی میں افسوس سے سر ہلایا مگر کچھ کہہ نہ سکے۔ رضوان نے مسکرا کر شانے اچکائے۔

''جو تم چاہو.....''

''تو پھر مجھے میری اپنی برانڈ نیو کار چاہیے، اٹھارویں سالگرہ پہ یہ میرا حق بنتا ہے۔''

''شیور ابھی چلو۔'' وہ تیار تھے۔

''رضوان بھائی، آپ ذرا آرام کر لیتے، کراچی میٹنگ اٹینڈ کر کے سیدھا ائر پورٹ سے اِدھر آ گئے ہیں اگر تھوڑا سا.....'' تنویر صاحب نے متفکر لہجے میں کہنا چاہا مگر لڑکے نے بگڑے تیوروں کے ساتھ انہیں دیکھا۔

''تنویر بھائی، میرا برتھ ڈے خراب مت کریں، مجھے کار لینی ہے تو ابھی لینی ہے۔''

''ہاں کیوں نہیں، ابھی چلتے ہیں، میرے بیٹے کی اٹھارویں سالگرہ ہے اور اٹھارویں سالگرہ ہر روز نہیں آتی۔'' انہوں نے فخر سے کہتے ہوئے اس کا شانہ پھر سے تھپکا، ہاتھ گرم تھا مگر یہ اہم نہیں تھا۔

تنویر صاحب متفکر سے اُن کو دیکھتے خاموش ہو گئے مگر جیسے غیر مطمئن ہوں۔

زیادہ دیر نہیں گزری، جب وہ کارز کے شوروم میں کھڑے تھے۔ وہ لڑکا ہر ایک کار کو آگے پیچھے سے دیکھتا، اس میں بیٹھتا، کوئی پسند آتی، کسی پہ محض منہ بنا دیتا، تنویر صاحب ہاتھ باندھے ہوئے رضوان کے پیچھے کھڑے تھے۔ رضوان نقاہت سے مسکراتے ہوئے لڑکے کو تنقیدی انداز سے ہر شے کا جائزہ لیتے دیکھ رہے تھے۔

''مجھے یہ سرخ اسپورٹس کار پسند ہے۔'' بالآخر ایک کار کے پاس رک کر وہ ایک دم سے بولا۔ ڈیلر نے معذرت خواہانہ نگاہوں سے اسے دیکھا۔

''سوری سر، یہ بُک ہو چکی ہے، اس کو آدھے گھنٹے تک شپ کرنا ہے۔''

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

"مگر مجھے یہی چاہیے۔" لڑکے کے ماتھے پر برہمی سے بل پڑے۔

"جی، سر ہم آپ کو جمعے تک یہ کار منگوادیں گے، سیم کلر، سیم ماڈل۔"

"سیم نہیں، مجھے یہی چاہیے، آپ انہیں منگوادینا۔" وہ بیزاری سے بولا۔ رضوان کی مسکراہٹ پھیکی پڑی، وہ جیسے فکرمند ہوگئے۔

"کہیں اور سے پتا کرلیتے ہیں فیضی..... یا پھر جمعے تک انتظار....."

"مجھے نہیں کرنا انتظار..... میرا برتھ ڈے آج ہے، جمعے کو نہیں۔" لڑکا مشتعل ہورہا تھا۔ رضوان کے چہرے پر افسوس ابھرا۔

"اچھا ٹھیک ہے، کہیں اور سے۔"

"آپ کو سمجھ نہیں آتا؟ کہیں اور سے نہیں دیکھنا میں نے، مجھے آج بس یہی کار چاہیے، ہم آپ کو ڈبل پے منٹ کردیں گے۔" (ڈبل پے منٹ کے الفاظ پہ تنویر صاحب نے بے اختیار تھوک نگلا)

"سر، بات پے منٹ کی نہیں، کمٹمنٹ کی ہے، ورک ethics کی ہے۔ سہگل صاحب کے لڑکے کی کار ہے۔ پلیز آپ سمجھنے کی کوشش کریں۔" ڈیلر بے چارہ پریشان ہوگیا تھا۔

"وہ ٹھیک کہہ رہا ہے فیضی، بات اخلاقیات کی ہے، اُن کی مجبوری کی ہے، آؤ ہم کہیں اور سے دیکھ لیتے ہیں۔"

"مائی فٹ.....!" لڑکے کا چہرہ غصے سے سرخ پڑچکا تھا۔ "آپ مجھے کار لے کر دینا ہی نہیں چاہتے، آپ کو میرا احساس ہی نہیں ہے..... اتنا بھی نہیں سوچا کہ آج میرا برتھ ڈے ہے، آج تو مجھے کچھ لے دیں مگر پتا نہیں آپ کس کے لیے اپنی دولت سنبھال رہے ہیں، یو نو واٹ بھائی جی، مجھے اب کچھ نہیں چاہیے۔ نہ کار، نہ آپ کی میری برتھ ڈے پارٹی میں شمولیت....." وہ کہہ کر تیزی سے باہر نکل گیا۔

رضوان بس کھڑے رہ گئے، اس دروازے کو دیکھتے رہ گئے جس سے وہ باہر نکلا تھا۔ اپنی سانسوں کی آوازیں گنتے رہ گئے، اُن کے چہرے پہ تکلیف تھی، درد تھا، ایک نہ ختم ہونے والا کرب تھا مگر یہ اہم نہ تھا..... تنویر صاحب نے بس لمحے بھر کو یہ دیکھا اور فیضی کے پیچھے لپکے۔ وہ کار کے قریب تھا جب تنویر صاحب نے اس کو جالیا۔

"فیضی، تمہارے بھائی جی بیمار ہیں۔" کار کا دروازہ کھولتا لڑکا رکا اور مڑ کر اُن کو دیکھا۔

"کیا ہوا ہے انہیں؟"

"اُن کو کل سے بخار ہے اور....."

"بخار تو ٹھیک ہوجاتا ہے، مجھے بھی پرسوں تھا۔" لڑکے نے شانے اچکائے۔

"تم اٹھارہ سال کے ہو، وہ چالیس کے ہیں، وہ دو دن سے مسلسل کام کررہے ہیں، صرف تمہاری سالگرہ کے لیے انہوں نے دو اہم ترین میٹنگز کینسل کیں۔ انہوں نے آرام بھی نہیں کیا اور سیدھے یہاں آگئے، اور....."

"آپ ان کے ایمپلائی ہیں، ایمپلائی کی طرح رہیں، مجھے پتا ہے اچھی طرح کہ مجھے ان سے کیسے ڈیل کرنا ہے۔"

بادلوں کی کھڑکیاں بند ہونے لگیں، منظر چھپنے لگا، رازوں پہ پہرے لگنے لگے۔

"اس رات میں یہیں تھا جب یہ حادثہ ہوا۔" کیئر ٹیکر کہہ رہا تھا۔ فیضی چونکا..... اور پھر توجہ سے سننے لگا۔

"اس رات برفباری ہوئی تھی، پچھلی رات بھی برف پڑی تھی جس سے ہر جگہ سفید تھی، سیڑھیاں بھی برف سے اٹی تھیں، میں اندر تھا جب وہ لوگ آئے تھے، رضوان صاحب اور ان کی بیوی..... وہ اِدھر سردی میں کافی دیر تک ٹہلتے رہے..... پارک سنسان تھا، اتنی سردی تھی کہ قلفی جم جائے، میں صرف اُن کا

ہے باہر آکر بیٹھ گیا۔"

فیضان اب ماضی کی یادوں سے نکل کر پوری یکسوئی سے سن رہا تھا۔ کیئر ٹیکر یوں بتا رہا تھا جیسے اس کے سامنے فلم سی چل رہی ہو۔

"وہ دونوں۔۔۔یہاں جگہ ٹہلتے رہے۔" اس نے ہاتھ سے اشارہ کیا۔ "کافی دیر رضوان صاحب خاموش تھے، ان کی بیوی بول رہی تھی، میں دور تھا، مجھے سمجھ نہیں آئی مگر وہ بہت تیز تیز بولے جارہی تھی، جب انسان غصے میں بھڑاس نکالتا ہے، وہ کافی سوبری لڑکی ہے، ایسے عموماً بولتی نہیں ہے مگر تب بہت مختلف لگ رہی تھی پھر رضوان صاحب تیزی سے سیڑھیوں کی طرف بڑھے، وہ ان کے پیچھے لپکی..... اب کہ وہ چیخا بولی تو مجھے سنائی دیا کہ وہ ان کو جانے سے روک رہی تھی مگر وہ سنے بغیر سیڑھیاں اترنے لگے اور تبھی اُن کی ہلکی سی کراہ سنائی دی اور وہ پھسلے۔"

"تب پارس کہاں تھی؟" فیضان نے تیزی سے پوچھا۔

"وہ یہاں کھڑی تھی۔" کیئر ٹیکر نے سیڑھیوں کے آغاز سے ذرا فاصلے پہ ایک جگہ اشارہ کیا۔

"کیا یہ ہوسکتا ہے کہ رضوان صاحب کو کسی نے دھکا دیا ہو؟"

"نہیں، وہ میرے سامنے گرے تھے، دوسری یا تیسری سیڑھی سے گرے تھے، وہ حادثہ تھا، ایک برا حادثہ..... ان کے جنازے پر بھی میں گیا تھا..... بیگم صاحبہ سے بھی ملا، اب آپ بتائیں آپ اتنے سوال کیوں کررہے ہیں؟" فیضی اس کے سوال پر تکان سے مسکرایا۔

"میں ان کا ایک زمانے میں دوست رہ چکا ہوں، صرف متجسس تھا اُن کی موت کے بارے میں، آئی ہوپ آپ میری فیلنگز سمجھ سکیں گے۔" ساتھ ہی وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

کیئر ٹیکر نے اس سے ہاتھ ملایا، فیضان مڑ گیا، کیئر ٹیکر اسے دیکھتا رہا، وہ سیڑھیوں کی طرف گیا اور دھیرے دھیرے زینے اترنے لگا۔ تیسرے زینے پر رک کر اس نے پلٹ کر کیئر ٹیکر کو دیکھا، اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

فیضی سمجھ کر پلٹا اور سیڑھیاں اترنے لگا۔ کیئر ٹیکر اسے دیکھتا رہا، یہاں تک کہ وہ نگاہوں سے غائب ہوگیا پھر وہ اندر چلا آیا۔ اپنے چھوٹے سے کیبن نما آفس کا دروازہ بند کرکے اس نے فون کا ریسیور اٹھایا اور ایک نمبر ملایا۔

دوسری جانب گھنٹی جارہی تھی وہ مضطرب سا انتظار کرنے لگا۔ پانچویں گھنٹی پر فون اٹھالیا گیا۔

"بولو.....؟" ایک بھاری مردانہ آواز سنائی دی۔

"جیسا کہ آپ نے کہا تھا سر..... ایک نوجوان ابھی آیا تھا اور مجھ سے رضوان حیات کی موت کے بارے میں سوال کررہا تھا۔"

"تم نے کیا کہا؟"

"وہی جو آپ نے کہا تھا کہ مجھے کہنا ہے۔"

"گڈ..... اور جو میں نے کہا تھا کہ نہیں کہنا؟"

"وہ میں نے نہیں کہا۔" کیئر ٹیکر کی آواز میں فخر در آیا۔

"ویری گڈ..... میں دوپہر سے پہلے تک تمہاری رقم ٹرانسفر کردوں گا، اب مجھے مزید اس نمبر پر فون مت کرنا۔"

"جی سر.....!" اس نے بخوشی کہہ کر فون بند کردیا۔ کیئر ٹیکر واقعی بہت خوش اور مطمئن تھا۔

☆☆☆

"کیا آپ نے سب سمجھ لیا؟" پارس کرسی سے اٹھ کر پرس اٹھاتے ہوئے بولی تھی۔ فائز نے سر ہلاتے ہوئے میز سے اپنے کاغذات سمیٹے۔

"میں تمام ای میلز کردوں گا، اس مہینے کی رپورٹ جس کا ذکر میں کررہا تھا، وہ صبح آپ کی میز پر رکھ دوں گا۔ آپ پڑھ کر مجھے بتادیجیے گا۔" اس نے اپنے بکھرے کاغذ باری باری فائل میں لگانے

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

شروع کیے، پارس جلدی جلدی اپنی چیزیں اٹھا رہی تھی، موبائل بیگ، کارڈز، فائز کے ہاتھ اتنی ہی سست روی سے چل رہے تھے۔

"او کے! صبح ملاقات ہوتی ہے پھر۔" پارس نے پرس کہنی سے لٹکایا، کندھوں سے سیاہ شال ٹھیک کی اور فولڈر اٹھائے آفس کے گلاس ڈور کی طرف بڑھی۔

فائز نے ایک خاموش نظر اس پر ڈالی اور سست روی سے اپنی فائل بیگ میں ڈالنے لگا۔ پارس نے دروازہ کھولا، باہر نکلنے سے قبل ایک دفعہ مڑ کر دیکھا، فائز بیگ کی زپ بند کر رہا تھا، زپ پھنس گئی تھی جسے وہ ذرا احتیاط سے دوبارہ پیچھے کر کے چڑھانے کی کوشش کر رہا تھا۔

پارس باہر چلی گئی۔ اس کے نکلتے ہی فائز نے زپ تیزی سے بند کی مگر تب تک نہیں ہلا جب تک پارس کاریڈور میں دور غائب ہوتی نہ دکھائی دی..... جیسے ہی وہ آگے مڑی فائز تیزی سے میز کے پیچھے آیا۔ اس کا ہاتھ بلا ارادہ سائڈ ٹیبل سے ٹکرایا، رضوان حیات کی تصویر کا فریم سر کے بل گرا مگر وہ بنا رکے پنجوں کے بل زمین پر بیٹھا اور میز کی درازیں باری باری کھولنا چاہیں، تینوں درازیں لاکڈ تھیں، اس نے گردن اونچی کر کے میز کے پار دیکھا، شیشے کے دروازے کے آگے کاریڈور خالی تھا۔

وہ دوبارہ دراز کھولنے کی کوشش کرنے لگا، وہ مکمل طور پر بند تھیں، اس نے جیب سے ایک پن نکالی اور دو انگلیوں میں مخصوص مہارت سے پکڑ کر... اوپر والی دراز کے کی ہول میں ڈالی۔ اب وہ کبھی کلاک وائز، کبھی اینٹی کلاک وائز پن کو ہلاتا وہ جیسے مکمل تکنیک کے مطابق اسے کھولنے کی کوشش کر رہا تھا۔

پارس نے لفٹ میں قدم رکھا تو آپریٹر سیدھا کھڑا ہو گیا اور ماتھے تک ہاتھ لے جا کر سلام کیا۔

"گراؤنڈ فلور....." کہہ کر وہ سنجیدہ چہرے کے ساتھ دیوار سے لگی کھڑی ہو گئی، آپریٹر نے جی کا بٹن دبایا، لفٹ نیچے اترنے لگی۔

فائز نے لاک کا آخری چکر مکمل کیا اور دراز کھینچی وہ باہر نکل آئی، اس کے چہرے پر مسکراہٹ در آئی، اس نے اندر موجود تمام فائلز باہر نکالیں اور میز پر رکھیں..... پھر گردن اونچی کر کے دیکھا کاریڈور خالی تھا۔

لفٹ گراؤنڈ فلور کی طرف گامزن تھی۔ پارس اس کی چمکتی سلور لوہے کی دیواروں میں اپنا عکس دیکھتی خاموشی سے کھڑی تھی، لفٹ نے زمین کو چھوا، دروازے "ہس" کی آواز کے ساتھ کھلے، آپریٹر مؤدب سا سر جھکائے ایک طرف کو ہوا، پارس باہر نکلی۔

فائز نے دراز پوری باہر نکال لی، یوں کہ پیچھے دراز کے اندر موجود کاغذ بھی نظر آنے لگے، اس نے ہاتھ اس خلا میں ڈال کر وہ سب کاغذ بھی نکالے اور میز پر رکھے، اب وہ اٹھ کھڑا ہوا اور جیب سے ڈیجیٹل کیمرا نکالا، اس کا میکرو شوٹنگ موڈ آن کیا اور فائل کے صفحے پلٹتا تصویریں بنانے لگا۔

پارس تیز قدموں سے چلتی ہوٹل سے باہر نکل، روش عبور کر کے وہ گیٹ کے اندر کھڑی سیاہ کار تک آئی، ڈرائیور نے تیزی سے پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولا..... اندر بیٹھتے ہوئے پارس نے گریبان پہ ہاتھ لگایا کہ عینک اتار کر آنکھوں پہ..... وہ رک گئی۔

اس کے گلاسز گریبان پہ نہیں اٹکے تھے۔ پارس نے ہاتھ سے گردن کو چھوا، اٹھ کر سوچا۔ پھر پلٹ کر اوپر دیکھا۔

"ایک منٹ خان، میں کچھ بھول گئی ہوں۔"

"میں لے آؤں میڈم.....؟"

"نہیں، میں خود جاتی ہوں۔" وہ تیزی سے واپس پلٹی.....

کِلک..... کِلک..... کِلک کی آواز کے ساتھ وہ دھڑا دھڑ تصاویر بنا رہا تھا۔ دو فائلز ہو چکی تھیں، تین ابھی باقی تھیں، وہ اب کاریڈور کو بھی نہیں دیکھ رہا تھا۔

بس تصاویر بنانے میں مصروف تھا۔

پارس کاریڈور میں چلتی لفٹ تک آئی، اسی پل اس نے چار افراد کو لفٹ میں کھڑا دیکھا اور اسی پل لفٹ کے دروازے بند ہوئے، باہر سرخ حروف میں لفٹ کے اوپر جانے کا اشارہ نظر آ رہا تھا۔

"اوہ....." اس نے بے بسی سے بند لفٹ کو دیکھا پھر سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی۔

فائز نے چوتھی فائل اب شروع کی تھی، اس کے چہرے پر پسینہ تھا، دل دھڑک رہا تھا مگر وہ تیز رفتاری سے سارا کام انجام دے رہا تھا۔

پارس سیڑھیاں چڑھ رہی تھی، ایک فلور، دوسرا، تیسرا.....

فائز نے آخری فائل کے اختتامی صفحے ختم کیے ساری فائلز کو ترتیب دی اور دراز میں ڈالا، نچلی والی فائلز کو پہلے ڈالا پھر اوپر والی دراز واپس اس کی جگہ میں گھسائی اور یہ کرتے ہوئے وہ جھکا ہی تھا کہ کن انکھیوں سے اسے دروازوں کے پار کاریڈور میں سیاہ رنگ کی جھلک دکھائی دی تھی وہ دراز بند کر کے اٹھا نہیں، جھکے جھکے میز کی دوسری جانب گیا اور رضوان حیات کی تصویر اٹھاتے ہوئے سیدھا ہوا۔

اسے نظر آ رہا تھا کہ پارس دروازہ کھول کر اندر آ رہی ہے مگر اس کی طرف دیکھنے کے بجائے بظاہر بے خبر سے فائز نے تصویر سیدھی کی، ٹشو باکس سے ٹشو نکالا، اس کی سطح صاف کی اور اسے اس کی جگہ پر سیٹ کر کے رکھا۔

"آپ گئے نہیں؟" پارس کی حیران سی آواز پہ "چونک کر پلٹا پھر مسکرایا۔

"جی میڈم، میں جا رہا تھا مگر کاریڈور سے دیکھا کہ یہ تصویر جگہ پر نہیں رکھی تھی قریب آیا تو دیکھا، یہ زمین پر گری پڑی ہے، مجھے اچھا نہیں لگا، آپ کے بغیر آپ کے آفس میں داخل ہونا اچھی ٹرکت نہیں ہے مگر مجھے آپ کی ڈانٹ منظور ہے، اس تصویر کی بے حرمتی نہیں..... ایک عرصہ اس شخص کی دی ہوئی تنخواہ سے میرے گھر کا چولھا جلا ہے، میں احسان فراموش نہیں ہو سکتا۔"

اس نے اداس مسکراہٹ کے ساتھ کہتے ہوئے پارس کو دیکھا وہ جیسے اسے دیکھ کر چونکی تھی مگر وضاحت سن کر اس کے تنے اعصاب ڈھیلے پڑ گئے، اس نے سمجھ کر سر ہلا دیا۔ فائز اپنا بیگ سنبھالتا باہر نکل گیا۔

پارس قدم قدم چلتی اس تصویر تک آئی، اس کے گلاسز ساتھ رکھے تھے مگر اس نے انہیں نہیں دیکھا۔ بس تصویر اٹھائی، دونوں ہاتھوں میں فریم پکڑے وہ اسے چہرے کے قریب کیے دیکھنے لگی۔

فریم کے چمکتے شیشے میں اس کا عکس نظر آ رہا تھا، مسکراتے ہوئے رضوان حیات کے چہرے پر مدھم سا اس کا چہرہ..... اور ان دونوں چہروں کے درمیان ایک تیسرا عکس ابھرنے لگا، سنہری جھلملاہٹ..... نیلے پانی پر چمکتی جھلملاہٹ..... عکس در عکس.....

سوئمنگ پول کا نیلا پانی سنہری دھوپ میں چمک رہا تھا۔ دور سے پتا نہیں چلتا تھا کہ پانی جما ہوا ہے یا پگھلا ہوا..... شاید برف کے ٹکڑے اندر تیر رہے تھے۔ ہوٹل کے بلاکس کی چھتیں، گزرگاہوں کے اطراف، لان کی گھاس غرض ہر جگہ برف کی تہ تھی، دھوپ چار دن بعد نکلی تھی، کچھ مہمان پول کے گرد آرام دہ کرسیوں پر بیٹھے تھے، کچھ سردی میں گرمی کا مزہ چکھتے ٹہل رہے تھے۔

ایسے میں ایک سادہ شلوار قمیص پہنے اور ڈھیلا جوڑا بنائے، سلور بالیوں والی لڑکی اپنا بیگ اٹھائے اندر سے باہر آتی دکھائی دی۔ اس کی چال دھیمی اور چہرے پر تکان تھی جیسے ساری رات کی جاگی ہوئی اپنی شفٹ ختم کر کے گھر جا رہی ہو، وہ عمارت کے ساتھ ساتھ چلتی جا رہی تھی، جب ایک دم رکی۔

سوئمنگ پول کے ایک طرف کرسی پر جیکٹ اور ٹراؤزرز جیسے آرام دہ حلیے میں ملبوس رضوان حیات

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

اخبار پڑھ رہے تھے، ان کے دائیں طرف چھوٹی میز پہ جوس کا گلاس رکھا تھا، کافی فاصلے پہ ایک ویٹر بظاہر گملے ٹھیک کرتا، اُن کی طرف متوجہ تھا کہ کب وہ اشارہ کریں اور وہ حاضر ہو۔

پارس چند لمحے رک کر دیکھتی رہی پھر جھکے سر کے ساتھ چلتی اُن تک آئی۔

''سر.....!'' اُس کی آواز دھیمی تھی، رضوان نے عینک کے اوپر سے اسے دیکھا پھر ہاتھ سے قریبی کرسی کی جانب اشارہ کیا، وہ بیٹھی مگر ایسے کہ آگے ہو کر کنارے پر ٹکی تھی۔

''آپ نے..... پیسے بھجوائے تھے سر.....!''

وہ اب انہیں دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی مگر ان اٹھی نگاہوں میں بھی جھکی نظروں جتنی ندامت تھی۔

''مل گئے تھے؟'' وہ اخبار پڑھتے رہے، قلموں کے سفید بال، آنکھوں کا دھیما تاثر، وہ معمولی نقوش کے حامل تھے مگر پھر بھی گریس فل تھے..... بہت گریس فل.....

''جی.....'' پارس نے ہمت مجتمع کی۔ ''آپ نے وہ کیوں بھجوائے سر؟''

''کیونکہ آپ کو ضرورت تھی۔'' ساتھ ہی انہوں نے صفحہ پلٹا۔

''سر مجھے..... مجھے کہنے دیجیے کہ میری والدہ نے آپ سے جھوٹ بولا تھا، شکیل قرض کی رقم عرصہ ہوا ادا کر چکا ہے، نہ غنڈے تھے نہ ہی انہوں نے اسے زخمی کیا، یہ رقم وہ بس کاروبار میں لگا دے گا یا اُڑا دے گا اور میں پتا نہیں کتنے سال یہ قرض اپنے خون سے اتارتی رہوں گی۔''

''مجھ سے چھوٹے میرے دو بہن بھائی ہیں، سویرا اور فیضان۔'' وہ رُندھی ہوئی آواز میں اعتراف اور انکشاف کر رہی تھی کہ رضوان حیات کسی خبر کو بہت انہماک سے پڑھتے ہوئے بولے، پارس رک گئی، لمحے بھر کو اسے لگا کہ انہوں نے یہ فقرہ اخبار سے پڑھ کر سنایا ہے۔

''اگر آپ ان دونوں سے رضوان حیات کے بارے میں پوچھیں تو وہ کہیں گے، ہمارے بھائی ایک مہربان، نرم دل، سچے، جلد اعتبار کرنے والے ایک احمق آدمی ہیں، وہ درست ہیں، میں مہربان بھی ہوں نرم دل، سچا، جلد اعتبار کر لینے والا بھی ہوں مگر...

انہوں نے اخبار لپیٹ کر پارس کو دیکھا اور ذرا سا مسکرائے..... ''مگر میں احمق نہیں ہوں، نہ ہی کبھی تھا۔''

پارس بس انہیں دیکھتی رہی..... چپ سے الجھی ہوئی سی۔

''میں کسی کو پانچ ہزار دینے سے پہلے بھی تحقیق کراتا ہوں پھر چاہے پانچ لاکھ ہوں یا پانچ کروڑ، میں کسی کی زبان پہ اعتبار کر کے نہیں تھما دیتا..... کیا لگتا ہے آپ کو، آپ کے میرے آفس سے نکلتے ہی میں نے آپ کے سارے خاندان کو، سوتیلی ماں، سوتیلے بھائی، بلکہ سوتیلی ماں کے بیٹے کو، اس کا پورا ریکارڈ، غیر قانونی دبئی جانا سب نہیں کھنگالا ہوگا؟ میں سب جانتا ہوں مس.....'' وہ مسکرا رہے تھے۔ فاتحانہ نہیں، نرمی سے، سادگی سے۔

''تو پھر..... آپ نے کیوں دی ہمیں وہ رقم سر؟''

''آپ کو ضرورت تھی۔''

''وہ..... ضرورت نہیں، لگژری تھی اور اس قرض کو میں لمبے عرصے بعد اتار سکوں گی، ہر ماہ تنخواہ سے ایک بھاری کٹوتی پھر لامحدود مدت کے لیے یہاں کام کرنا باؤنڈ ہو کر، میں تو سیونگ بھی نہیں کر پاؤں گی سر۔''

''اور یہی سب کچھ آپ کی والدہ کو بھی معلوم ہونا چاہیے۔'' انہوں نے جوس کا گلاس اٹھایا اور سپ لے کر واپس رکھا، ٹھنڈا جوس، ٹھنڈا موسم، پول کا ٹھنڈا پانی.....

''کیا مطلب سر.....؟''

''میں نے وہ قرض آپ کو ذاتی طور پر دیا؟''

وہ مسکرا کر سمجھنے والے انداز میں سر ہلاتے رہے، بولے کچھ نہیں۔

''مگر میں نہیں مان سکتی کہ آپ جیسے ذہین اور مضبوط آدمی کو کوئی ایکسپلائٹ کر سکتا ہے۔''

''ہم جتنے مضبوط ہو جائیں پارس، رشتے ہماری سب سے بڑی کمزوری ہوتے ہیں، ہم نہ ان سے بھاگ سکتے ہیں، نہ بھاگنا چاہتے ہیں، میں خود کو انہیں ایکسپلائٹ کرنے دیتا ہوں، یہ دیکھنے کے لیے کہ میری آخری حد کیا ہے اور یہ دیکھنے کے لیے بھی کہ اُن کی آخری حد کیا ہے.....''

وہ بس انہیں دیکھ کر رہ گئی..... سارے الفاظ جیسے کھو گئے تھے، اس آدمی میں ایک عجب وقار و تمکنت تھی، سحر تھا۔

''اور دس سال بعد ادائیگی، سر.....؟ مجھے تو اس بات کا کوئی چانس نہیں لگتا کہ دس سال بعد ہم ایک دوسرے کو ڈھونڈ بھی پائیں گے۔''

"and that's the whole idea"

وہ مسکرا کر کہتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے، پارس نے بری طرح چونک کر انہیں دیکھا۔ یعنی وہ قرض واپس لینا چاہتے ہی نہیں تھے؟

وہ ان کو پکارنا چاہتی تھی مگر نہیں پکار سکی۔ رضوان حیات جیکٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے پُول کے ساتھ ساتھ چلتے دور جا رہے تھے، وہ بس انہیں دیکھتی رہی۔ پول کا پانی سنہری روشنی میں چمکتا رہا جیسے نیلے پتھر پہ سونے کے پانی کی تہ چڑھا دی گئی ہو..... جیسے آسمان کا عکس نیلے آئینے میں سنہری دِکھ رہا ہو.....

پارس نے سر جھٹک کر فریم واپس رکھا پھر آگے آ کر اپنے گلاس اٹھائے اور چند قدم دروازے کی جانب بڑھی ہی تھی کہ رک گئی۔ یوں جیسے آنکھ کے کنارے سے اس نے کچھ دیکھا، کچھ ایسا جو اسے کھٹکا ہو۔

وہ الٹے قدم واپس آئی اور میز کی درازوں کے پاس رکی، اوپر تلے کی تین درازیں بند پڑی

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

تھیں البتہ.....پہلی دراز کی درز سے کاغذ کا ٹکڑا جھانک رہا تھا جیسے فائل اندر ڈالتے ہوئے اس کا کنارہ پھنس گیا ہو۔

پارس نے دراز باہر کو کھینچی وہ کھل گئی اوپر والی فائل اس نے ٹھیک سے اندر کی اور دراز واپس بند کی پھر نچلی درازیں دیکھیں وہ لاکڈ تھیں۔ وہ وہیں کرسی پر بیٹھ گئی۔ آنکھوں میں تشویش اتر آئی۔

''میں نے خود یہ دراز لاک کی تھی، یہ کس نے کھولی؟'' وہ خود سے بڑبڑائی پھر بے اختیار سر اٹھا کر کاریڈور کو دیکھا، وہ اب خالی تھا، فائز کب کا جا چکا تھا۔

پارس نے تیزی سے ریسیور اٹھایا، ایک نمبر ملایا پھر آپریٹر سے کسی خواجہ طارق صاحب سے بات کرنے کی درخواست کی، قریباً پانچ منٹ بعد وہ اُن سے ہمکلام تھی۔

''خواجہ صاحب، میں مسز پارس رضوان حیات بات کر رہی ہوں۔''

''جی مسز پارس، کیسی ہیں آپ؟ کہیے، میں آپ کے لیے کیا کر سکتا ہوں؟''

''مجھے ذرا فائز حسن کے بارے میں معلومات لینی تھیں، وہ پہلے آپ کی یعنی لاہور والی برانچ میں کام کرتے تھے، اب میرے فنانشل ایڈوائزر ہیں۔'' وہ بات کرتے ہوئے مضطرب سی بالی پہ انگلی پھیر رہی تھی۔

''جی، پوچھیں۔''

''کیا آپ ان سے واقف ہیں؟ کس قسم کے انسان ہیں فائز صاحب؟''

''جی، میں انہیں جانتا ہوں، میرے انڈر کام کرتے تھے، بہت شریف اور دیانتدار ہیں، محنتی بھی بہت ہیں، اُن کے گھر میں ان کے علاوہ کمانے والا کوئی نہیں ہے، ان کی بہنیں.....'' وہ چند منٹ تک سنتی رہی، اس کے چہرے پر اطمینان اترنے لگا پھر بھی پیشانی کا ایک بل وہیں تھا کچھ تھا جو اسے کھٹک رہا تھا۔

''آپ کو لگتا ہے کہ فائز صاحب اپنے پہلے باس کے لیے اپنے نئے باس کی جاسوسی کرنے کے اہل ہیں؟'' اس نے ''فیضان'' اور ''پارس'' کو کوٹ ورڈز میں کہا۔

''نہیں، ہرگز نہیں۔''

''اور میں یقین کر لوں خواجہ صاحب کہ جو آپ کہہ رہے ہیں وہ اپنے مکمل ایمان کے ساتھ کہہ رہے ہیں اور یہ سب آپ کو فیضان صاحب نے کہنے کو نہیں کہا۔''

خواجہ صاحب بری طرح چونکے اور گڑبڑائے مگر اپنی آواز کو انہوں نے ہموار رکھا۔

''رضوان صاحب مجھ پر اعتبار کرتے تھے آپ بھی کر سکتی ہیں۔''

اس بات پر پارس کی پیشانی کا آخری بل بھی غائب ہو گیا۔ وہ ایک دم شانت سی ہو گئی۔ اس نے سمجھ کر سر ہلایا فون بند کر کے اس نے دراز کو دیکھا اور پھر اپنی چابی نکال کر اسے لاک کیا۔

''میں بھی paranoid ہوتی جا رہی ہوں۔ خود لاک کرنا بھول کر دوسروں پر شک کرنے لگی ہوں۔'' خود کو خفا انداز میں مخاطب کر کے وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

☆☆☆

کمرے میں مدھم روشنی تھی، لیپ ٹاپ کی اسکرین کی روشنی جو فیضان کے چہرے کو چمکا رہی تھی، وہ توجہ اور دھیان سے اسکرین پر کچھ پڑھ رہا تھا۔ وقفے وقفے سے سر ہلاتا جیسے سمجھ آ رہی ہو پھر اس نے چند بٹن دبائے اور پرنٹر سے آوازیں آئی زوں زوں کی آواز کے ساتھ چند کاغذ پرنٹ ہو کر نکلے۔ اس نے یکے بعد دیگرے اُن کو پھر سے پڑھا اور ایک تلخ مسکراہٹ اس کے لبوں کو چھو گئی۔ اس نے فون اٹھایا اور ایک نمبر ملایا۔

''سویرا آپا، آپ ٹھیک تھیں، تنویر بھائی کہیں نہ کہیں

ملوث ہیں۔'' وہ ان کاغذات کو پڑھتا کہہ رہا تھا۔

''کیا مطلب.....؟ اور تمہیں کیسے پتا؟'' وہ جیسے اٹھ کر بیٹھ گئیں۔

''رضوان بھائی کی موت سے اگلی دوپہر پارس نے اپنے اور بھائی جی کے مشترکہ اکاؤنٹ سے ایک بھاری رقم نکلوائی اور اسی دن وہ رقم تنویر بھائی کے اکاؤنٹ میں منتقل کی گئی۔ میں نے اس اکاؤنٹ نمبر کو چیک کیا ہے، جس کے نام کی ڈپازٹ سلپ مجھے ملی ہیں، یہ تنویر بھائی کا اکاؤنٹ نمبر ہے۔''

''اوہ.....مگر تمہیں ڈپازٹ سلپ کہاں سے ملیں؟''

''پارس کے ساتھ کام کرتا ہوں اور اس کی چیزوں تک رسائی اتنی مشکل بھی نہیں ہے۔'' وہ اب پھر سے لیپ ٹاپ پہ کچھ بٹن دبا رہا تھا، پرنٹر آواز دینے لگا۔

''مگر اس نے تنویر کو پیسے کیوں دیے؟''

''یا تو وہ شروع سے اس کھیل کا حصہ ہوں گے یا بعد میں انہیں کچھ خبر ہو گئی ہو گی اور زبان بندی کی رقم ان کو دی گئی ہو گی۔''

''مگر فیضی..... پھر کیا پارس تمہاری اصلیت جانتی ہے؟''

اور یہیں آ کر فیضی الجھ گیا۔

''اگر تنویر بھائی اور پارس ملے ہوئے ہیں تو وہ جانتی ہو گی اور وہ ملے ہوئے ہیں مگر..... وہ نہیں جانتی.....اس کے انداز سے نہیں لگتا۔'' وہ کنفیوزڈ تھا۔

''تنویر صاحب نے پارس کو پھر کیوں نہیں بتایا؟''

''یہاں آ کر آپا میں الجھ جاتا ہوں کیونکہ میں سمجھ نہیں پا رہا کہ تنویر بھائی کی وفاداری کس کے ساتھ ہے، میرے یا پارس۔ یا وہ ہم دونوں سے ہی مخلص نہیں۔''

چند لمحے خاموشی رہی.....پھر سویرا آپا نے جیسے کپڑا ہاتھ مارا۔

''یاد کرو فیضی، تنویر صاحب نے تمہیں بھائی جی کے مرنے کے فوراً بعد بتایا تھا کہ ان کے سر کی پشت پہ ایک نوکیلی چیز سے کیے گئے زخم کا نشان تھا۔''

''جی اور جب میں اِدھر آیا تو انہوں نے اس بات کو ٹالنا چاہا مگر میرے اصرار پہ انہوں نے اعتراف کیا کہ وہ اب بھی اسی بات پر قائم ہیں۔'' وہ جیسے کچھ سمجھ رہا تھا۔

''وہ زخم تنویر صاحب کے علاوہ افضل بابا نے بھی دیکھا تھا، فیضی، اگر پارس نے تنویر صاحب کو tip کیا ہے تو افضل بابا کو بھی کیا ہو گا۔''

''ایک تو یہاں کچھ سمجھ نہیں آ رہا کہ پارس کی پارٹی کون ہے اور ہماری پارٹی کون ہے؟'' وہ جھنجلایا۔ ''خیر جب تک میں افضل بابا سے دوبارہ بات کرتا ہوں۔ آپ وہ کریں جو میں نے کرنے کو کہا تھا۔''

''یعنی تمہارے منصوبے کا دوسرا اسٹیپ۔''

''جی..... اب وقت آ گیا ہے کہ رضوان حیات کی بہن مری آئے اور اپنے بھائی جی کے قتل کی ایف آئی آر درج کروائے۔'' وہ ہلکا سا مسکرایا، وہ ابھی تک کامیاب جا رہا تھا۔

''بے فکر رہو، میں ویک اینڈ تک پہنچ جاؤں گی۔''

فیضی نے فون رکھا اور مسکرا کر ان پرنٹ آؤٹس کو دیکھا اسے لگا اس کے دشمن اپنی قبر خود کھود رہے ہیں۔

☆☆☆

افضل بابا نے دروازہ دھیرے سے کھٹکھٹایا اور ذرا سا کھولا، پارس سنگار میز کے سامنے بیٹھی، جھک کر دراز میں کچھ رکھ رہی تھی۔ آہٹ پہ اس نے سر اٹھا کر آئینے میں دیکھا جس کا عکس چوکھٹ میں کھڑے افضل بابا کو دکھا رہا تھا۔

''جی بابا؟'' مڑے بغیر عکس کو دیکھتی وہ کہتے ہوئے دونوں ہاتھوں سے دائیں بالی کا ہک کھولنے لگی۔

''کوئی شجاع طاہر صاحب آئے ہیں، میں نے انہیں لان میں بٹھایا ہے، آپ کو پوچھ رہے ہیں۔''

بالی کا کنڈا کھولتے اس کے ہاتھ رکے بلکہ

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

نیچے آگرے، وہ اسٹول پہ بیٹھے، بیٹھے پوری پلٹی۔

''کیا..... کیا فیروزہ بیگم گھر پر نہیں ہیں؟''

''وہ ان کے ساتھ ہی بیٹھی ہیں۔''

''اچھا، میں آرہی ہوں۔'' وہ دھیرے سے واپس آئینے کی طرف مڑی، عکس میں افضل بابا پلٹ کر جاتے دکھائی دیے۔ پارس نے پھر سے بالی کے کُنڈے کو چھوا۔ وہ اسے اتارنا چاہ رہی تھی یا وہ اسے نہیں اتارنا چاہ رہی تھی۔

آئینے سے جھانکتی اس کی آنکھوں میں ایک دم اضطراب اور بے چینی در آئی۔ غصہ بھی، بے بسی بھی، انتظار بھی مگر بے پروائی بھی..... وہ زندگی کے ان لمحوں میں سے ایک لمحہ تھا جب انسان بیک وقت متضاد کیفیات کا شکار ہوتا ہے۔ وہ خوش بھی ہوتا ہے، ناخوش بھی۔ پریشان بھی اور ایکسائٹڈ بھی۔ وہ اپنی فیلنگز کو سمجھ نہیں پا رہا ہوتا..... مگر اندر کہیں اور وہ اپنی فیلنگز کو بالکل ٹھیک، ٹھیک سمجھ پا رہا ہوتا ہے۔

اس نے آئینے میں دیکھتے ہوئے شعوری طور پر اَن مٹ کہانیوں کی تلاش کی..... جیسے جادوگر بچوں کے انگوٹھوں پر زعفران کی روشنائی لگا کر انہیں جن کو بلانے کا حکم دیتے ہیں، اس نے بھی بِنا آواز کے آئینے کو حکم دیا ہے کہ وہ کوئی یاد اس کے سامنے لے آئے جو شجاع سے ملنے سے قبل اس کو ڈھارس دے اور اس کے رویے کو ری شیپ کرنے میں مدد دے۔ اور دائیں، بائیں اور بائیں کو دائیں دکھانے والے آئینے نے فوراً تعمیل کی۔

اس کی شفاف سطح پر بلبلے سے بنتے گئے جیسے کسی نے پانی میں پتھر پھینکا ہو اور ان سے بنتے دائروں میں ان مٹ کہانیاں پھر سے ابھرنے لگیں۔

وہ فون کا ریسیور کان سے لگائے کھڑی تھی، سولہ سترہ برس کی لڑکی جس کے چہرے پہ ہیجان و خوف تھا، اس کی بالیاں کانوں میں نہیں تھیں، نگاہیں بار بار کھڑکی سے باہر دیکھتیں کہ کہیں کوئی آ نہ جائے۔

''تم میرے خط کا جواب کیوں نہیں دیتیں؟'' وہ دوسری جانب شکوہ کر رہا تھا۔ لڑکی کا ضبط جواب دینے لگا۔

''جواب؟ تمہارے خط کا.....؟ شجاع پلیز میری بات کلیئر کرلو، میں نے تمہیں فون تمہارے خطوں کا جواب دینے کے لیے نہیں کیا بلکہ مجھے تم سے ضروری بات کرنی ہے۔''

''مگر تم نے میرا حال تک نہیں پوچھا۔''

پارس نے بے چینی سے کھڑکی سے باہر دیکھا، بیرونی برآمدہ سنسان تھا اور دروازہ اندر سے بند، نہ جانے کب وہ دھڑ دھڑانے لگے۔

''شجاع..... تم..... تم کیوں مجھے خط لکھتے ہو؟''

''کیونکہ مجھے تم سے محبت ہے.....'' باہر جا کر وہ نڈر ہو گیا تھا یا شاید بے باک..... لڑکی کو ماتھے پہ پسینہ آنے لگا۔

''شجاع..... پلیز..... میں نے تمہیں کہا تھا کہ مجھے خط مت لکھنا اور تم پھر مجھے خط لکھنے لگ گئے ہو۔''

''میرا دل چاہتا ہے تم سے بات کرنے کو۔''

''تمہیں صرف اپنے دل کی پروا ہے، میری عزت کا کوئی خیال نہیں؟ تمہارا خط ملنے کے بعد چچی اور تمہاری بہنیں مجھے کیسی باتیں سناتی ہیں، امی اور شکیل میرا کیا حال کرتے ہیں، تمہیں کوئی احساس ہے؟''

''تم لوگوں کی باتوں کی پروا کیوں کرتی ہو..... تم بس.....؟''

''میں لمبی بات نہیں کرسکتی۔ بس میری آخری بات سن لو، آئندہ مجھے خط مت لکھنا، کسی صورت نہیں، سنا تم نے؟'' اور اس نے فون رکھ دیا۔ دل دھڑ دھڑ کر رہا تھا۔ پلٹ کر اس نے گھڑی کو دیکھا۔ دو ڈھائی منٹ کی کال کی تھی۔ بل میں کیا پتا چلے گا اور کون سا امی بل چیک کرتی تھیں۔ اس نے خود کو مطمئن کرنا چاہا۔

پانی کی سطح پر بنتے دائرے غائب ہونے لگے۔

پارس نے بالی کا کُنڈا بند کر دیا اور اٹھ کھڑی ہوئی، بالیاں اتارنے کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ بالوں میں ذرا سا ہاتھ پھیر کر ان کو سنوارتی باہر جانے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی۔

لان میں مغرب کا اندھیرا پھیلا تھا گہری بلاہٹ..... دن کا سب سے زیادہ depressing وقت، جب خوش سے خوش انسان پر بھی قنوطیت اور اداسی چھا جاتی ہے، ایسی اداسی جس کا توڑ مکمل روشنی یا مکمل اندھیرا ہونے سے قبل ہو ہی نہیں سکتا۔

لان چیئر پر فیروزہ مائی ٹانگ پر ٹانگ جمائے پان کی نوک سے مگر کرید کرید کر شجاع سے سوال کر رہی تھی جو جینز اور سوٹ شرٹ میں ملبوس مہذب انداز میں بیٹھا شائستگی سے جواب دے رہا تھا۔ پارس کو آتے دیکھ کر احتراماً اٹھا، فیروزہ مائی نے بھی اس کی سمت دیکھا۔

''دیکھو پارو، شجاع آیا ہے، اتنے سال بعد اسے ہمارا خیال آ ہی گیا۔'' پارس سلام کہتی کرسی پر آ بیٹھی، تمکنت اور وقار سے، کمر سیدھی رکھے، ٹانگ پر ٹانگ چڑھائے۔

''شجاع کہہ رہا ہے تجھ سے ہوٹل میں ملا تھا، تُو نے تو نہیں بتایا؟'' فیروزہ مائی کے انداز پر وہ جیسے شرمندہ ہو گیا۔ پارس نے ایک نظر ماں پر ڈالی۔

''میں کب تمہیں ہر بات بتاتی ہوں؟ پہلے کبھی بتائی ہے؟'' اب شرمندہ ہونے کی باری فیروزہ مائی کی تھی۔

''کیسی ہیں آپ؟'' وہ کہنے لگا۔ آنکھوں کا وہی دھیما نرم تاثر جو دل پگھلا دے۔

''فائن تھینکس۔'' اس نے سنجیدگی سے کہتے، سر کو جنبش دی۔

''کیا کرتے ہو برطانیہ میں؟'' فیروزہ مائی پھر سے پوچھنے لگی۔

''چھوٹا سا کاروبار ہے، اپنے اسٹورز کی ایک چین جو چند ایک شہروں میں ہے۔''

''بڑی ترقی کرلی تم نے مگر تعلیم مکمل کی یا نہیں؟''

''جی، ساتھ میں پڑھائی بھی مکمل کرلی تھی۔'' وہ متانت سے جواب دے رہا تھا۔

''اور تمہاری ماں اور بہنیں..... اب کہاں ہوتے ہیں سب؟''

''دو بہنوں کی شادی ہو گئی تھی، دوا بھی امی کے ساتھ رہتی ہیں، وہیں لاہور میں۔''

''ہاں ہم سے کبھی ملنے آتے تو ہمیں پتا ہوتا، پیسے کی چکا چوند دیکھ کر تمہارے گھر والے تو سب بھول گئے تھے۔ محلہ کیا بدلا، سارے رشتے ناتے توڑ دیے مگر خیر.....'' فیروزہ مائی نے ایک فاتحانہ نگاہ بنگلے پر ڈالی۔ ''ہمیں بھی سوہنے رب نے بہت دولت دے دی ہے۔ پارس کے شوہر رضوان صاحب اور اس کے

روح کی غذا

یہ شادیوں میں میوزک کیسا عجیب و غریب بجتا ہے..... ڈھش..... ڈھش ٹک..... ڈھش ڈھش ٹک..... جس کے ردھم کی چوٹ دماغ پر لگتی ہے۔ سر میں درد کھانا کھانے سے پہلے اتنا شدید ہو جاتا ہے کہ دو پلیٹ بریانی کھانے والا مشکل سے آدھی پلیٹ ہی کھا پاتا ہے۔ یوں کم کھانے میں زیادہ مہمان علیحدہ نمٹ جاتے ہیں اور یہ میوزک سن کر بس یہی دل چاہتا ہے کہ میزبان کو اپنا گفٹ دے کر باہر کی طرف دوڑ لگا دی جائے..... جبکہ بعض تقریبات میں سارنگی کی ایسی میٹھی دُھن بجتی ہے ..... چیوں..... چیوں..... چوں..... کہ سکون سا ملتا ہے۔ طبیعت میں طمانیت، شگفتگی ایسی چھاتی ہے کہ اگر شادی کے کھانے میں قلفی ہو تو ایک کی جگہ چار کھالی جاتی ہیں۔

(انجم انصار کے ناول محبت ہم سفر میری سے اقتباس)

مرسلہ: بختاور بلوچ، لوہی بلوچستان

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

ہوٹلز کا تو علم ہوگا تمہیں۔''

''جی، انہیں بخوبی علم ہے۔'' پارس جو خاموشی سے سن رہی تھی، شجاع کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پہلی دفعہ مسکرا کر بولی۔ شجاع نے نفی میں سر جھٹکا۔

''علم ہے مجھے..... میں پچھلے سال آنا چاہتا تھا آپ کے پاس مگر تب معلوم ہوا پارس نے شادی کرلی ہے، سو میں رک گیا..... پھر رضوان صاحب کی وفات کا پتا چلا.....'' پارس کے چہرے پر تکلیف اور اذیت ابھری..... وہ کہہ رہا تھا۔ ''میں نے سوچا وہ عدت ختم کرلے تو میں مل لوں گا..... اور اب عدت ختم ہونے کے بعد اس مہینے سے جیسے ہی پارس نے سب سے ملنا شروع کیا، ہوٹل جانے کی بھی چلا آیا۔''

''ہاں اسی وقت کا انتظار تھا مجھے..... رضوان کی ڈیتھ کے چھٹے مہینے میں نے گھر سے باہر نکلنا شروع کیا تھا، جانتی تھی بہت سے لوگ اب ملنے چلے آئیں گے۔'' وہ پھر سے مسکرا کر بولی جیسے مسلسل شجاع کو جانچ رہی ہو۔

''اس کے بہن بھائی تو آئے ہی نہیں۔'' فیروزہ مائی کو بے موقع محل یاد آیا۔

''آئیں گے، ضرور آئیں گے، چھ ماہ سے انتظار کررہی ہوں، وہ سر کے بل آئیں گے امی۔'' وہ دھیرے سے بولی، اس کے چہرے پر مسکراہٹ تھی، عجیب سی مسکراہٹ جو پارس کا خاصہ نہیں تھی۔

فیروزہ مائی کا فون آگیا تو وہ اٹھ کر چلی گئی۔ پارس اور شجاع تنہا تھے یا پھر مغرب کا نیلا اندھیرا۔

''کیسے آدمی تھے رضوان صاحب؟'' وہ ازراہِ تذکرہ پوچھنے لگا۔

''بہت اچھے.....'' پارس کی مسکراہٹ پھیکی پڑی۔

''ڈیتھ کیسے ہوئی اُن کی؟''

اس کے چہرے پر سایہ سا لہرایا۔ آنکھوں میں چبھن اتری۔

''وہ..... سیڑھیوں سے گر گئے تھے۔'' اس نے اب کی بار دو حصوں میں فقرہ مکمل کیا۔ یہ فقرہ وہ ایک حصے میں مکمل کرہی نہیں سکتی تھی۔

''آگے کا کیا سوچا ہے تم نے؟''

''ہوٹل سنبھالوں گی اور رضوان کو یاد کروں گی ساری عمر..... بس۔'' پارس نے خود کو کمپوز کرتے ہوئے بظاہر بے پروائی سے شانے اچکائے۔

''کیا اب بھی تمہارے اندر تبدیلی کی خواہش نہیں ہے؟'' وہ بہت اداسی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''پرانی باتیں مت یاد کراؤ شجاع..... ملک نے اگر انہیں یاد کیا تو تمہاری طرف لمبا کھاتا کھلے گا۔''

''تم نے کہا تھا خط نہ لکھو، میں نے نہیں لکھا پھر کہا فون نہ کرو، میں تمہاری آواز سننے سے بھی محروم رہا..... میں نے ہمیشہ تمہاری خوشی مقدم رکھی۔''

''میں نے کہا ناں پرانی باتیں مت یاد کراؤ..... لمبا کھاتا کھلے گا ورنہ تمہاری طرف۔'' قدرے سختی سے آگے ہو کر اس نے تنبیہہ کی۔ وہ خاموش ہوگیا مگر اس کی آنکھوں میں دکھ تھا۔

''میں تمہیں بہت مس کرتا ہوں پارس۔''

''تمہیں میرا خیال تب کیوں آیا جب میں ایک امیر بیوہ بن گئی ہوں؟ آٹھ سالوں میں پہلے کبھی میری یاد کیوں نہیں آئی؟ اسی وقت کیوں مجھ سے ملنے آئے ہو جب میں نے ہوٹل سنبھالنا شروع کیا؟'' وہ آگے ہو کر، سختی سے بولی اس کی آنکھوں میں طیش تھا، غصہ تھا اور ہر وہ جذبہ تھا جس سے آگ کی لپٹیں نکلتی تھیں۔

''میں تمہارے پاس کچھ بن کر آنا چاہتا تھا، میرے پاس اتنا کچھ ہونا چاہیے تھا کہ تائی مجھے انکار نہ کرپائے مگر مجھے بہت دیر ہوگئی۔ جب تک میں آیا تمہاری رضوان حیات سے شادی ہوچکی تھی۔''

''اچھی کوراسٹوری ہے مگر نہیں، مجھے یقین نہیں آیا۔'' وہ اٹھ کھڑی ہوئی، گردن سیدھی رکھے، اس نے سرد شعلوں میں ڈوبی نگاہوں سے کرسی پر بیٹھے

شجاع کو دیکھا۔ ''ہمارے درمیان کچھ بھی کامن نہیں ہے، تم جب آنا چاہو، آجاؤ، ملنا چاہو، مل لو مگر مجھ سے کوئی امید نہ رکھنا..... میں تمہیں کچھ نہیں دے سکتی۔''

شجاع ساتھ ہی کھڑا ہوا۔ پارس جانے کے لیے پلٹی۔

''تم اب بھی وہی بالیاں پہنتی ہو جو میں لایا تھا، جب یہ اس لیے تھا کہ یہ تمہاری خود پہ خرچ کرنے والی پہلی کمائی تھی۔ کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ یہ اب کس لیے ہے جبکہ تمہارے پاس خود پہ خرچ کرنے کو کروڑوں روپیہ ہے؟''

پارس کے قدم زنجیر ہوگئے مگر وہ مڑی نہیں، نہ ہی کچھ بولی۔

شجاع چلتا ہوا عین اس کے پیچھے آرکا۔

''میں نے تم سے جھوٹ بولا تھا، سو روپے کی بالی کو پچاس کی کہہ کر لایا تھا یہ وہ پہلا اور آخری جھوٹ تھا جو میں نے تم سے بولا مگر یہ ایسا جھوٹ تھا جو اعتبار گھٹانے نہیں، بڑھانے کے لیے ہوتا ہے لیکن تم پھر بھی مجھ پہ اعتبار نہیں کرتیں۔'' وہ یہ کہہ کر ایک نظر اس کے بالوں سے ڈھکی پشت پر ڈال کر واپس پلٹ گیا۔ پارس سن کھڑی رہ گئی۔ سانس روکے، بالکل منجمد..... پھر اس کی آنکھوں کے کٹورے بھرنے لگے..... سیاہ سفید پیالے میں سرخی اور پانی ابھرا..... دو آنسو ٹوٹ کر گالوں پر لڑھکے۔

اس نے چہرہ موڑا..... شجاع گیٹ سے نکلتا دکھائی دے رہا تھا۔ وہ ڈبڈبائی آنکھوں سے اسے جاتے دیکھتی رہی۔

''پرانی باتیں مت دُہراؤ ورنہ تمہاری طرف لمبا کھاتا کھلے گا شجاع.....!'' وہ بھیگی آواز میں خود سے بڑبڑائی۔

☆☆☆

تنویر صاحب کمپیوٹر پہ کچھ ٹائپ کررہے تھے۔ ان کے آفس کا شیشے کا ایک دروازہ کھلا تھا۔ فیضان نے انگلی سے دروازہ بجایا۔ تنویر صاحب نے چونک کر سر اٹھایا پھر مسکرائے۔

''آؤ.....'' ساتھ ہی عینک اتار کر ایک طرف رکھی اور سامنے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ وہ گہری نظروں سے انہیں دیکھتا کرسی پر آبیٹھا۔ وہ مسکرا رہا تھا مگر اس کا انداز یوں تھا جیسے تنویر صاحب کو پہلی دفعہ دیکھا ہو۔

''کہو، کام کیسا جارہا ہے؟''

''حیران کن حد تک کامیاب.....''

''گڈ.....'' وہ پیچھے ہو کر بیٹھ گئے۔ ''رضوان کی موت یا قتل کا معما حل ہوا یا نہیں؟''

''بس قریب ہوں۔'' وہ ضبط سے مسکرایا۔

''تمہارے نزدیک culprit کون ہے؟''

وہ گرم لوہے کو چھو کر ہاتھ ہٹا دینے کا کام شروع کرچکے تھے۔

''پارس اور اس کا ساتھی۔''

''ساتھی.....؟'' تنویر صاحب نے ابرو اٹھائی، وہ جیسے بالکل ٹھہر گئے تھے۔

''جی، اس کا ساتھی جو اس کے ہمراہ قتل اور قتل کے بعد کے تمام معاملات سنبھالتا رہا ہے، ہر غلط چیز کو ٹھیک کرنے کی ذمے داری اس کی ہے اور اس کے بدلے پارس نے اسے ایک بھاری رقم بھی دی ہوگی۔''

''ہوں، کون ہوسکتا ہے اس کا ساتھی؟'' وہ جواب کا انتظار کرنے کے بجائے اس کے چہرے پر جواب کھوج رہے تھے۔

''کوئی تو ہے، کوئی قریب کا آدمی.....''

''پارس کا کزن شجاع طاہر تو نہیں ہے؟ آج کل بہت چکر لگ رہے ہیں اس کے۔'' فیضان ہنس دیا۔ وہ اس کے شک کا رخ پھیر رہے تھے۔

''ہاں، وہ بھی ہوسکتا ہے۔ بہرحال، مجھے آپ کو کچھ بتانا تھا۔''

''کہو.....'' وہ متوجہ تھے۔ ذرا پُرسوچ بھی لگ رہے تھے۔

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

"سویرا آپا یہاں آگئی ہیں، آج دوپہر میں سے ملنے جائیں گے۔"

"... اوہ اچھا ہوگا۔ کب آئی سویرا؟"

"کل رات کو..."

"اور تم اب کتنے ہو؟"

"وہ ذرا بخار تھا، ڈاکٹر کا دوا کھا رہی تھی، اب سب ٹھیک ہے، آپ یہاں سے شام کو جائیں گے۔" اس نے بتایا اور توقف کیا۔

"کیسی تھی ڈاکٹر دوائی؟"

"کچھ سر پھرا سا ڈاکٹر ہے، ذرا سی خوش مزاج ہوا تو کھل جاتا ہے۔" مجھے دوا کھانا ہے، چلتا ہوں۔" آئینہ نے اسے کہتے ہوئے فون بند کیا۔ وہ پریشان لگ رہا تھا۔ وہ سمجھے وہ دوا سے بیزار ہے، مگر اس ایک جملے کی آواز میں کھنک سی تھی۔ احمد بیٹھے تھے صاحب کو وہ نظر بھر کر دیکھ رہا تھا۔ وہ سمجھ گئے تھے۔ انہوں نے جلدی سے سر جھکا لیا اور آئینہ مسکرا دیا۔

کیسی بھی دوا کی کڑواہٹ بچے صوفیہ کو کچھ دیکھ رہا تھا۔

"تم بات کر رہا ہوں، آپ سے ہو گیا ہے۔" اندر سے ہمدرد کی آواز آئی۔ فیضان کا سارا دھیان ہو گیا۔

"سویرا آپا ہے، کیسی ہے مسئلہ کیسی ہے کہ وہ کسی ڈاکٹر کا دوائی کی بات کر رہی ہے... مجھے لینے دو، اچھا ہے آپ کو معلوم ہے کہ..." وہ آگے بڑھ گیا کہ کاریڈور میں چہل قدمی کرتے ہوئے کچھ لوگ اسے دیکھ رہے تھے۔ بلند آواز میں بات کرنا غلط تھا۔

☆☆☆

پاس سے گزرتی کار سے لگے سنگ لائٹ کی مسکراہٹ شیلف میں ہلکی سی محسوس ہوئی اور اس کی دوائی سنگار میز کے سامنے تھی گئی۔

"سویرا آپا آرہی ہیں... چلیں اپنا [illegible]
"مگر مسئلہ وہ ہیں ہے... وہ [illegible]
کاریڈور کی بات کر رہی ہے... میں کہیں [illegible]
کہنے جا رہی ہے کہ..." انہوں نے [illegible]
چھوڑ دیا۔

"آپ کے خیال میں وہ کیا کہہ [illegible]
جیسے یہ بات نہیں تھی وہ اچھی طرح [illegible]
"میں سمجھتی کہ سکتا ہوں۔"

"مگر آپ کو کس نے بتایا کہ [illegible]
ہیں؟" اس نے شاید قدرے دلچسپی [illegible]

"میرے اپنے سورسز ہیں۔" پھر [illegible]
تاثرات کے بعد وہ بولے۔ پاس مسکرا دیا۔

"میں سمجھ گیا، بے فکر رہیں، میں آئندہ [illegible]
کروں گا۔"

"تھینک یو!" اطمینان بھرا تاثر دے کر [illegible]
نے مڑ کر آئینہ کو دیکھا۔

"آپ کے جوان آئے ہیں۔"

"آنے دیں۔" آئینہ لاپروا سی [illegible]
دھیرے سے بولی۔ "وہ آگئی ہیں، میں چلتی ہوں۔"
گیلری میں داخل ہو کر کے وہ باہر آگئی، جہاں [illegible]
انتظار کر رہی تھی۔ وہ اندر داخل ہوئی تو [illegible]
ہو گئی۔ اندر سے فیروزہ کی بولنے کی آواز [illegible]
تھی۔ وہ گیلری میں لگے آئینے کے سامنے [illegible]
بنا رہی تھی۔ اس نے آئینہ کو آتے دیکھا [illegible]
ہٹایا اور قدم بڑھا دیے۔ اس وقت [illegible]
بہت مطمئن تھی۔ محبت پر [illegible]
مسکراہٹ تھی اور اس مسکراہٹ کے ساتھ [illegible]
فیروزہ کی کہنے والے صوفے پر [illegible]
دیکھا... اور پاس کی مسکراہٹ [illegible]
پھیل گئی۔

فیضان کی محبت نے اسے [illegible]
دیا... مگر کیا سویرا اور [illegible]
کہ وہ یہ سب ضرور چاہے گی [illegible]

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش
یہ صفحہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے تخلیق کیا ہے
جس کا مقصد کیا ہے؟

- پاکستان کا واحد اردو ویب پورٹل جو مکمل طور پر اردو میں ہے
- دنیا بھر میں مقیم پاکستانیوں کو پاکستان سے قریب لانا
- پاکستان کے بارے میں مثبت تاثر اجاگر کرنا
- پاکستان کے بارے میں غلط فہمیوں کا ازالہ کرنا
- پاکستان کے بارے میں درست معلومات فراہم کرنا
- پاکستان کے ثقافتی ورثے کو اجاگر کرنا
- پاکستان کے تمام اہم شعبوں کے بارے میں آگاہی دینا
- پاکستان کے بارے میں ہر قسم کی معلومات ایک جگہ پر فراہم کرنا
- پاکستان کے بارے میں ہر قسم کی معلومات کا سب سے بڑا ذخیرہ
- پاکستان کے بارے میں ہر قسم کی معلومات کا سب سے بڑا ذخیرہ

We are Just Waiting Website

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library For Pakistan

Facebook fb.com/paksociety

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

مکمل ناول

پارس

نمرہ احمد

تیسرا حصہ

''شکیل!'' اس کی آواز بہ مشکل نکل پائی۔ سیاہ پینٹ کوٹ اور پیلی شرٹ میں ملبوس، گھنی مونچھوں اور شاطر آنکھوں والا شکیل اسے اندر آتے دیکھ کر مسکراتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔

''ہاں، میں..... کیا اچھا نہیں لگا میرا آنا؟'' پارس نے خالی خالی نظروں سے اسے دیکھا اور پھر فیروزہ مائی کو جو بیٹے کی اچانک آمد پر خوش بھی تھی اور حیران بھی۔

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

"نہیں..... کیسے ہو؟" وہ دھیمی آواز میں کہتی کھڑے کھڑے ہی پوچھنے لگی۔ ابھی تک وہ سنبھل نہیں پائی تھی۔

"کیسا ہونا ہے؟ پیسے نہیں تھے، سارا کاروبار ٹھپ ہوگیا، سب چھوڑ کر واپس آنا پڑا۔" الفاظ کے برعکس وہ خوشدلی سے کہہ رہا تھا۔ "سوچا بہن کے گھر کچھ دن رہ لوں، عیش کرلوں، پھر پنڈی میں کوئی نوکری ڈھونڈتا ہوں، ماں کو بھی ساتھ ہی لے جاؤں گا۔ ساری زندگی تم نے پالا ہے، اب مزید تم پہ کہاں بوجھ بنیں۔" فیروزہ مائی ہکا بکا سی اسے دیکھ رہی تھی۔ شکیل کیا کہہ رہا تھا، اس کی سمجھ سے باہر تھا، پارس نے... بہ مشکل اثبات میں سر ہلایا۔

"جیسے تم چاہو، مجھے ذرا کام ہے پھر ملاقات ہوتی ہے۔" وہ جانے کے لیے مڑی۔ اسی پل افضل بابا چائے کی ٹرالی دھکیلتا اندر داخل ہوا۔

"سنو بابا، میرے لیے کوئی اچھا سا کمرا سیٹ کرادو اور میرے بیگ سے سارا سامان نکال کر الماریوں میں لگادو، ابھی تو کچھ دن ہوں میں اِدھر۔" واپس صوفے پر آرام سے ٹیک لگائے اور ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر بیٹھتے ہوئے شکیل بولا تھا۔

پارس بہ مشکل ضبط کرتی باہر آئی پھر پلٹ کر ستون کی اوٹ سے جالی دار پردے کے پار دیکھا۔ وہ ایسے بیٹھا تھا جیسے اس کے باپ کا گھر ہو۔ پردے کی جالی سفید تھی اور اس میں پھولدار سیلف پرنٹ بنا تھا۔ پھول بوٹوں کے درمیان بہت سے خالی سوراخ تھے۔ لمحے بھر کا عمل تھا کہ ان سوراخوں میں رنگ بھرنے لگے۔ بس سیاہ، سفید اور سرمئی رنگ، بلیک اینڈ وائٹ فلم.....

"میں اچھی طرح پہچانتا ہوں یہ کوڈ..... یہ انگلینڈ کا نمبر ہے۔ کس نے فون کیا ہے انگلینڈ؟" وہ کانوں سے نیچے تک آتے بالوں والا لڑکا ایک کاغذ پڑھتے ہوئے غصے سے بول رہا تھا۔

سامنے کھڑی بالیوں والی لڑکی کا رنگ سفید پڑ چکا تھا جیسے وہ کوئی مردہ لاش ہو۔ اگر اس وقت کوئی اسے چھو کر دیکھتا تو شاید وہ برف سے زیادہ ٹھنڈی ہوتی۔

"امی نے نہیں کیا، میں نے نہیں کیا..... پھر تو نے ہی کیا ہوگا۔ بول۔ کس کو کیا ہے فون؟" وہ سرخ بھبھوکا چہرہ لیے غرّایا تھا۔ ساتھ ہی ہل پرے پھینکا۔ ہوا نے کاغذ کے ٹکڑے کو چند غوطے دیے اور وہ پارس کے قدموں میں آن گرا۔ پارس اسی طرح ہولے ہولے کانپتی شکیل کو دیکھ رہی تھی۔ الفاظ لبوں سے نکل ہی نہیں رہے تھے۔

"اسی شجاع کو کیا ہوگا اور کسے کرے گی۔ ہونہہ۔" فیروزہ مائی قہر آلود آنکھوں سے اسے دیکھتی بولی۔ "دیدہ دلیری تو دیکھو۔ گھر کے فون پہ اپنے اس..... سے باتیں کرتی ہے اور سمجھتی ہے کسی کو پتا نہیں چلے گا۔" فیروزہ مائی نے گھٹیا انداز میں کہا۔

"بتا، کیوں کیا تھا فون؟ کیوں بات کرتی ہے اس سے؟" شکیل آگے بڑھا اور اس کی پونی سے پکڑ کر بالوں کو جھٹکا دیا۔ سفید برف کے تجسّے کی چیخ نکلی۔

"بس ایک بار کیا تھا، امی مجھے معاف کردو۔ صرف ایک بار....." وہ کراہنے لگی مگر شکیل تابڑ توڑ اس کے سر، چہرے اور گردن پر تھپڑ مارنے لگا۔ اس کی چیخیں، سسکیاں اور کراہیں بلند ہوتی گئیں۔ وہ وہیں صحن میں گرگئی شکیل کے قدموں میں اور وہ اسے ٹھڈوں اور تھپڑوں سے مار رہا تھا۔ فیروزہ مائی چارپائی پہ بیٹھی تماشا دیکھ رہی تھی۔

"طبیعت صاف کردے آج اس کی۔ بہت برداشت کرلیا ہم نے۔ مجھے تو یقین ہے کہ اس نٹ پونجیے کو باہر جانے کے لیے پیسے بھی اسی نے دیے ہوں گے۔" وہ بولی تو صرف اتنا۔

"نہیں..... امی..... میری بات سنو..... بھائی پلیز....." شکیل غصے میں چیختا اور زور سے اسے مار رہا تھا، وہ آہوں اور سسکیوں کے درمیان کچھ بولنے کی سعی کرتی رہ گئی مگر وہ نہیں رکا۔ دھندلے ہوتے منظر میں اسے اتنا ضرور نظر آیا تھا کہ صحن کی دیوار کے اوپر سے شجاع کی بہنیں جھانک رہی تھیں..... پھر دھندلی ہر سو چھاتی گئی..... گیلی دھند..... جالی دار دھند.....

جالی دار پردے کے پار شکیل جھک کر ٹرالی سے پیسٹری اٹھا رہا تھا۔ پارس نے چبھتی ہوئی نگاہوں سے اسے دیکھا اور بہ مشکل خود کو calm down کرتے ہوئے تلخی سے مسکرائی۔

"رہو کچھ دن ہمارے ساتھ شکیل کیونکہ خدا کی قسم، میں کچھ نہیں بھولی۔" زیرلب بڑبڑا کر وہ پلٹ گئی۔

☆☆☆

پتھروں کا بنا بڑا سا بنگلا عرصے بعد آباد نظر آرہا تھا۔ مخروطی چھت، اونچے ستونوں کا طویل برآمدہ اور سامنے کھلا سا لان جو ڈھلان کے اوپر بنا تھا۔ برآمدے میں کھڑے ہو کر دیکھو تو دور، دور تک پہاڑیاں دکھائی دیتی تھیں۔ وہ گھر بلاشبہ پارس کے گھر سے کہیں بڑا اور خوب صورت تھا۔

سویرا سینے پہ بازو لپیٹے برآمدے میں کھڑی تھی۔ ان کی چھوٹی، چھوٹی آنکھیں دور کچھ دیکھ رہی تھیں۔ فربہ مائل سراپا، کیچر میں نفاست سے بندھے بال اور چبھتی ہوئی نگاہیں ان کی پوری شخصیت کو بیان کررہی تھیں۔

خاموشی میں ارتعاش پیدا کرنے والی آواز ان کے موبائل کی تھی۔ وہ چونکیں اور پیچھے دیکھا جہاں میز پہ رکھا موبائل بج رہا تھا۔ وہ آگے آئیں، موبائل اٹھایا اور کان سے لگایا۔

"بولو فیضی۔"

"میں راستے میں ہوں، بس دس منٹ تک پہنچ جاؤں گا۔"

"تمہیں یقین ہے کہ ہماری بھابی نے تمہارے پیچھے جاسوس نہیں چھوڑ رکھے؟"

"خواجہ صاحب کو لاہور فون کرکے تصدیق تو کرنے کی کوشش کی ہے محترمہ نے مگر خواجہ صاحب پکّے رہے۔ فی الحال میں احتیاط کررہا ہوں، سو ڈونٹ وری۔"

سویرا نے فون بند کردیا اور وہیں کرسی پہ بیٹھ گئیں۔ ذرا دیر بعد ملازمہ چائے کا پوچھنے آئی تو انہوں نے انکار کردیا۔ بار بار کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھتے ہوئے وہ فیضی کا انتظار کررہی تھیں۔ انہیں پارس سے ملنے جانا تھا۔

آگے کا لائحہ عمل ذہن میں بار بار دُہراتی، وہ بے توجہی سے لکڑی کی میز کے گلاس ٹاپ کو دیکھ رہی تھیں جس میں چھت کا عکس جھلک رہا تھا۔ بیل، بوٹے، اسپاٹ لائٹس سب میز کے شیشے کے اوپر چھپ گیا تھا۔ نگاہیں ان پہ مرکوز کیے، وہ ان نقش و نگار کا تعاقب کرنے لگیں۔ بیل کہاں شروع ہوئی، پھول کہاں ختم ہوا، سب بھول بھلیاں بنتا گیا اور وہ خود کو اس میں کھونے لگیں.....

رضوان حیات نے خاموشی سے انہیں دیکھا جیسے اُن کے بولنے کے منتظر ہوں، وہ جو اتنی دیر اِدھر اُدھر کی تمہید باندھ رہی تھیں۔ اب بالآخر بات کو منزل تک پہنچتے دیکھ کر ذرا آگے کو ہوئیں۔

"بھائی جی اسجد تو منع کررہے تھے کہ رضوان بھائی کے سامنے ہاتھ پھیلاتے اچھے تھوڑی لگیں گے مگر میں نے کہا کہ بھائی جی کو نہیں بتائیں گے تو اور کس کو بتائیں گے۔ آخر برے وقت میں بھائی کام نہیں آئے گا تو کون آئے گا۔"

"سویرا، کیا ہوا ہے؟" حسبِ توقع بھائی جی کے چہرے پہ تشویش در آئی۔

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

''بس کیا بتاؤں، اسجد کے تو ستارے ہی گردش میں رہتے ہیں۔ ہماری کوٹھی، بینک سے قرضے کے عوض گروی رکھی گئی تھی مگر آپ تو جانتے ہیں کہ اسجد کو کاروبار میں نقصان ہوا ہے، سارا قرضہ بھی غارت گیا اور قرضہ ادا کرنے کا امکان بھی۔''

''اوہو..... کیا بینک سے نوٹس آگیا ہے؟'' وہ پریشانی سے آگے کو ہوئے۔

''جی بھائی جی..... اور وہ کوٹھی ضبط کررہے ہیں۔ نہیں، نہیں، آپ قرضے کی فکر نہ کریں، وہ تو اسجد کو ہی ادا کرنا ہے، پہلے بھی آپ سے اتنا پیسہ لیا، اب دوبارہ میں ان کو آپ سے کچھ مانگنے تھوڑی دوں گی۔''

''سویرا..... دیکھو..... بات پیسے کی نہیں ہے، میں نے اسجد کو کہا تھا کہ وہ کسی ملٹی نیشنل میں جاب کرلے، شروع میں تنخواہ شاید بہت زیادہ نہ ہو مگر اس کی ڈگری اچھی ہے، کام کرے گا تو تجربہ آئے گا، نائن ٹو فائیو جاب انسان کو disciplined کردیتی ہے۔ مگر وہ اَڑا رہا کہ اپنی مرضی کا کاروبار کرے گا، کاروبار بے شک کرتا مگر کچھ عرصہ نوکری کرکے تجربہ حاصل کرتا، دیکھو دنیا کا کوئی کاروبار آپ کو بٹھا کر نہیں کھلا سکتا۔ صبح آٹھ بجے آپ کو اٹھنا ہی پڑے گا۔ اپنے کاروبار کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ آپ بارہ بجے دفتر جارہے ہیں اور...''

''سب باتیں ٹھیک ہیں آپ کی بھائی جی۔'' سویرا آپا بور سی ہوکر ان کی بات کاٹ کر بولیں۔ ''مگر اب سارا مسئلہ کوٹھی کا ہے۔ وہ ضبط ہورہی ہے۔ ہم تو سڑک پہ آجائیں گے۔''

''اللہ نہ کرے، میں تمہیں کسی اچھی جگہ کرایے کا گھر دلا دوں گا۔''

''وہ تو ٹھیک ہے مگر کرایہ کون دے گا، آپ سے تو نہیں لیں گے۔ دو بچے میرے، ساس کا ساتھ، گھر بھی بڑا چاہیے ہوگا اور اس کا کرایہ بھی زیادہ ہوگا۔'' وہ فکرمندی سے کہہ رہی تھیں۔

''کوئی حل نکل آئے گا، میں بینک والوں سے بات کرتا ہوں۔''

''اوہو..... وہ رہنے دیں..... میری بات سنیں۔'' وہ جلدی سے بولیں، مبادا وہ فون ہی کرڈالیں۔ ''آپ کی ڈیفنس والی کوٹھی جو نئی نئی ہے.....''

رضوان حیات کے چہرے پہ سایہ سا لہرایا۔ آنکھوں میں تکلیف ابھری۔

''ہاں، ندا سے شادی کے بعد وہیں رہنا تھا۔ خیر.....'' انہوں نے گہری سانس لی۔

''وہ گھر مکمل فرنشڈ اور ڈیکوریٹڈ ہے، میں نے تو اسجد سے کہہ دیا ہے کہ بھئی ہم وہیں رہ لیں گے اور مجھے پورا یقین ہے کہ بھائی جی کو کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔''

رضوان حیات لمحے بھر کو چپ ہوگئے۔

''وہ تو ٹھیک ہے سویرا مگر..... ندا سے رشتہ ختم ہوا تو..... میں سوچ رہا تھا کہ جب بھی شادی کروں گا، اس گھر میں.....''

''ارے بھائی جی آپ نے کون سا ابھی شادی کرنی ہے اور پھر آپ کر بھی لیں تو آپ کے لیے یہ گھر بھی ٹھیک ہے۔'' سویرا آپا نے کہتے ہوئے اطراف میں نگاہ ڈالی۔ ''میں تو کہتی ہوں، آپ اس کوٹھی میں نہ ہی رہیں۔ دیکھیں وہاں ہر چیز آپ نے ندا کے لیے سجائی تھی۔ جب وہ ہی دغا باز نکلی تو کیا آپ ان چیزوں اور دیواروں کے ساتھ رہ سکیں گے؟ میں نے تو اسجد سے کہہ دیا کہ میرے بھائی جی اتنے غیرت مند ہیں کہ کبھی اس کوٹھی کو مڑ کر بھی نہ دیکھیں، کجا یہ کہ اس میں رہیں۔''

رضوان حیات نے خاموشی سے اثبات میں سر ہلایا۔ سویرا آپا کی آنکھوں میں امید کی روشنی چمکی۔

''اور اب تو میں جانتی ہوں وہ کوٹھی اور اس کی

چیزیں آپ پہ حرام ہیں، جب بھی جائیں گے، تکلیف ہی ہوگی، مجھے تو لگتا ہے وہ گھر ہی آپ کے لیے منحوس ثابت ہوا ہے، تبھی تو رشتہ ٹوٹ گیا۔ چلیں اب ہم اُدھر شفٹ ہو ہی رہے ہیں تو آپ اس کے کاغذات بھی مجھے دے دیجیے گا۔ میرا بھی سب پہ رعب پڑے گا اور میرے سسرال والے مزید آپ سے دب جائیں گے کہ بھائی بہن کا اتنا خیال کرتا ہے کہ مشکل وقت میں پوری کوٹھی اسے تحفے میں دے دی۔'' وہ خوشی، خوشی بول رہی تھیں۔

''جیسے تم چاہو سویرا۔'' رضوان بہن کی خوشی دیکھتے ہوئے اپنا کرب جیسے پسِ پشت ڈال کر دھیرے سے مسکرائے۔

اسپاٹ لائٹس تیز روشنی سے جل اٹھیں۔ سویرا کی آنکھیں چُندھیائیں انہوں نے بے اختیار چہرہ پرے کیا اور سوئچ بورڈ کی طرف دیکھا۔

وہاں مسکراتا ہوا فیضان کھڑا تھا۔ سویرا بدقت مسکرائیں۔ چند لمحے قبل سوچی گئی یاد نے اس مسکراہٹ کو مشکل بنادیا تھا۔ حالانکہ اس میں کچھ قابلِ اعتراض نہ تھا پھر بھی دل کے کسی کونے میں ہوک سی اٹھی تھی۔ ایسی ہوک نہیں جو کسی کو دکھ دینے کے بعد برسوں اٹھتی رہتی ہے بلکہ بس یہ پریشانی کہ ہمارے اپنے دل کو سکون کیوں نہیں آتا۔ اگر آجائے تو یاد سے متعلقہ شخص یاد بھی نہ رہے۔ آخر اس کے ساتھ کیا غلط کیا تھا ہم نے؟

''کیسی ہیں آپا؟'' وہ جھک کر اُن سے ملا۔ کرسی کھینچ کر ساتھ ہی بیٹھ گیا۔

''اچھی ہوں۔ تم بتاؤ، آگے کا کیا پلان ہے؟'' ان کو کوئی تیسری بات کرنے کی خواہش ہی نہ تھی۔

''آپ پارس کے پاس جائیں گی اور فی الحال صرف اس سے تعزیت کریں گی، ہمارا سرپرائز تب تک سرپرائز رہے گا جب تک ہمارے ہاتھ میں کورٹ کا آرڈر نہ ہو۔''

''ہوں... سمجھ گئی۔'' انہوں نے سر ہلایا۔ ''تنویر کی کوئی اپ ڈیٹ؟''

''انہوں نے بہت مایوس کیا ہے مجھے۔ میں نے سب سے زیادہ بھروسا ان پہ کیا بلکہ بھائی جی نے بھی سب سے زیادہ بھروسا ان ہی پہ کیا تھا۔ انہوں نے ہم سب کو دھوکا دیا ہے۔'' فیضان کے چہرے پہ تاسف پھیلا اس نے نفی میں گردن ہلائی۔

''میں تو پہلے ہی کہتی تھی اور دیکھو، ہمیں اس کی اور پارس کی ڈیل کا ثبوت بھی مل گیا۔''

''مزید یہ کہ جب میں نے انہیں آپ کی آمد کا بتایا تو وہ اتنے حواس باختہ ہوئے کہ میرے نکلتے ہی پارس کو ساری بات فون پہ بتائی۔ یوں میرے لیے مزید بے اعتبار ہوگئے۔'' اس نے افسوس سے سر جھٹکتے ہوئے سامنے پھیلے نیلگوں اندھیرے کو دیکھا۔ شام اتر رہی تھی۔

''یعنی وہ میری آمد کے لیے تیار ہوگی..... تو پھر چلیں؟'' انہوں نے فیضی کو دیکھتے ہوئے سوالیہ انداز میں ابرو اٹھائی۔

''جی، چلیں۔'' وہ دھیرے سے مسکرایا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

''مگر تم اُدھر..... مطلب تم تو اس کے ملازم ہو؟''

''ڈونٹ وری، مجھے اہم مواقع کے لیے انٹری ٹکٹ خریدنا آتا ہے اور آج کی شام کا شو میں مِس نہیں کرنا چاہوں گا۔''

اس کی آنکھوں میں چھایا پختہ عزم، لہجے میں پارس کے لیے سرد سی نفرت اور مسکراہٹ میں فتح کا یقین سویرا کو شانت کرگیا۔ سکون ملا تو یادیں بھول گئیں۔ وہ بھی مسکرادیں اور جانے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

☆☆☆

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

افضل بابا نے احتیاط سے الماری بند کی پھر خالی بیگز بیڈ کے نیچے رکھے اور ہاتھ جھاڑتے اٹھ کھڑے ہوئے۔ شکیل ستائشی نظروں سے کمرے کا جائزہ لے رہا تھا، فیروزہ مائی ساتھ ہی ذرا خوش، ذرا حیران، ذرا پریشان کھڑی تھی۔

''سب سیٹ کردیا ہے صاب، کوئی کام ہو تو مجھے آواز دے دیجیے گا یا یہ گھنٹی بجا دیجیے گا۔'' انہوں نے سائڈ ٹیبل کے قریب لگے بٹن کی طرف اشارہ کیا۔ شکیل نے ''اچھا، اچھا، جان چھوڑو'' والے انداز میں سر ہلا کر منہ پھیر لیا۔ افضل بابا سر جھکائے باہر نکل گئے۔

''مجھے صاف صاف بتا شکیل، بات کیا ہے؟'' ان کے نکلتے ہی فیروزہ مائی نے تیزی سے دروازہ بند کیا اور گھوم کر بیٹے کے سامنے آئی۔

''گھر تو زبردست ہے امی، ہوٹل اس سے بھی عالیشان ہوگا۔'' وہ ابھی تک گھوم پھر کر ایک، ایک چیز کا جائزہ لے رہا تھا۔ فیروزہ مائی کے ماتھے پہ بل پڑے۔

''جہنم میں گیا گھر۔ میں پوچھ رہی ہوں کہ.....''

''ناں..... ناں.....'' اس نے انگلی اٹھا کر مسکراتے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔ ''گھر کو جہنم میں نہیں بھیجنا ہمیں۔''

''شکیل مجھے سیدھی طرح بتا، تو اچانک بغیر اطلاع کے کیوں آیا ہے اِدھر؟''

''یہی تو بتا رہا ہوں تجھے امی۔ گھر زبردست ہے، ہوٹل اس سے بھی عالیشان ہوگا۔ اور اس گھر کو جہنم میں بھیجنے کی غلطی ہم نے نہیں کرنی۔'' وہ مسکرایا تو اس کی آنکھیں پُراسراریت سے چمکیں۔ فیروزہ مائی بالکل ٹھہر کر اسے دیکھنے لگی۔

''تو..... تو گھر اور ہوٹل کے لیے آیا ہے؟ میرے لیے نہیں؟'' اسے صدمہ ہوا تھا۔

''لے..... سب تیرے لیے ہی تو کر رہا ہوں، اِدھر تو میرے ساتھ عیش کرے گی، میں اکیلا تھوڑی رہوں گا یہاں۔'' وہ بیڈ کے ایک طرف بیٹھا، فیروزہ مائی تیزی سے اس کے ساتھ آ بیٹھی۔

''مگر..... شکیل..... یہ سب پارس کا ہے، وہ ہمیں اب زیادہ دن برداشت نہیں کرے گی۔ ہم اِدھر بھی عیش نہیں کر سکتے۔'' کمرے میں اندھیرا تھا اور ٹیبل لیمپ کی زرد روشنی نے ماحول کو عجیب شکل دے رکھی تھی۔ ایسے میں ان دونوں کی دھیمی سرگوشیوں میں کی جانے والی باتیں..... جیسے آدھی رات میں آسمانوں سے ارواحِ خبیثہ بڑبڑاتی ہوئی، اپنے پر پھیلائے زمین پہ اتر رہی ہوں.....

''یہ سب بہت جلد ہمارا ہو جائے گا، امی۔ اگر تو میرا ساتھ دے تو.....!'' وہ بھی دھیمی آواز میں بولا۔ سامنے دیوار پہ زرد روشنی میں دونوں کے سائے نمایاں تھے۔ ماحول کی ہیبت ناکی میں مزید اضافہ ہوا۔

''تجھے لگتا ہے وہ ناگن یہ سب ہمارے نام کرے گی؟ تو پاگل ہے۔ اگر تجھے لگتا ہے کہ اسے ڈرا دھمکا کر، کنپٹی پہ پستول تان کر بھی تو اس سے کاغذات پہ دستخط کروا لے گا تو، تو غلط ہے۔ وہ کبھی ہمیں کچھ نہیں دے گی شکیل۔'' فیروزہ کو اس کی احمقانہ سوچ پہ تعجب بھی ہوا اور افسوس بھی۔

''تیری نزدیک کی نظر واقعی کمزور ہے امی۔ تجھے سامنے کی بات کیوں نہیں نظر آتی؟ ہمیں پارو سے کچھ سائن نہیں کرانا۔ ہمیں بس ایک بات یاد رکھنی ہے کہ پارو کے واحد رشتے دار ہم ہیں۔ تو اس کی ماں، میں اس کا بھائی۔'' شکیل ابھی تک مسکرا رہا تھا۔

''پر ہم سوتیلے ہیں۔''

''ذرا سے پیسے خرچ کرو تو سوتیلا، سگا بن جاتا ہے۔ سوچ امی، پارو کے پاس کچھ نہیں تھا پھر اچانک سے ایک دن بڈھا حادثے کا شکار ہو کر مر گیا اور پارو کو سب مل گیا۔ ایسے ہی اچانک اگر ایک دن پارو حادثے میں مر جائے تو.....؟'' وہ مسکرایا۔

''تو امی اس کا سب کچھ ڈائریکٹ اس کے رشتے داروں کو مل جائے گا۔''

''اور اب میں سو سال اس ناگن کے مرنے کا انتظار کروں۔ یہ اتنی جلدی نہیں مرنے والی لو۔'' فیروزہ مائی کے چہرے پہ جھنجلاہٹ ابھری۔

''اوہ میری عقلمند ماں، تجھے لگتا ہے وہ بڈھا ایسے ہی مرا ہوگا؟ تو خود کہتی تھی اسے پارو نے مارا ہوگا۔ بظاہر وہ حادثہ تھا اور حادثہ ہی رہا۔ نہ کیس کھلا، نہ تفتیش ہوئی۔ ایسے ہی اگر ہم پارو کو اپنے راستے سے ہٹا دیں تو ہم اس سب کے مالک ہوں گے۔''

فیروزہ مائی کی آنکھیں حیرت سے پھیلیں اور پھر ان میں خوف اترا۔ رنگت سفید پڑی۔ وہ دم بخود رہ گئی تھی۔

''شکیل..... تیرا مطلب..... تو پارو کو قتل.....''

اس سے جملہ ادا نہیں ہوا، بے اختیار وہ قدرے پیچھے ہوئی۔

''میں نہیں، ہم..... ہم دونوں اسے راستے سے ہٹائیں گے۔''

''تو تُو اس لیے اِدھر آیا ہے..... شکیل اللہ کا خوف کر..... مجھے وہ ایک آنکھ نہیں بھاتی، دل کرتا ہے مار مار کر منہ لال کر دوں مگر قتل.....؟ نہیں شکیل۔'' اس نے نفی میں گردن ہلائی۔ وہ ابھی تک خوفزدہ لگ رہی تھی۔

''دیکھ امی، چند دن میں ہم سڑک پہ آ جائیں گے، بھیک مانگ کر گزارہ کرنا پڑے گا، تو لوگوں کے گھروں میں برتن مانجھے گی اور ان جھوٹے برتنوں کی ہڈیاں دیکھ کر مرغی کھانے کو ترسے گی۔'' وہ دبے دبے غصے سے بولا۔

''مگر تیرے پاس کچھ تو ہوگا، اتنے سال تو نے دبئی میں.....''

''نہیں ہے، پھوٹی کوڑی نہیں بچی۔ سارا سرمایہ ڈوب گیا۔ اب میرے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ پارو سے اپنا حق چھین لوں۔ دیکھ امی،

آس

میرے ہر اداس پل میں ساتھ دینا تم
گر ہاتھ چھوٹ جائے تو
اسے پھر تھام لینا تم
ماند پڑتے جذبوں کو
اِک نئی آس دینا تم
تم اِک دن لوٹ آؤ گے
زندہ رہنے کا نیا احساس دینا تم

شاعرہ: غزالہ جلیل راؤ، اوکاڑہ

ساری غلطی اس کی اپنی ہے، اگر اس نے سیدھے طریقے سے ہمیں ہمارا حق دیا ہوتا تو ہم یہ نہ کرتے۔ ساری غلطی اُس کی ہے، تو خود کو الزام نہ دے۔'' شکیل کے پاس خود کو صحیح ثابت کرنے کے لیے بہت سے دلائل تھے۔ ہر شخص کے پاس ہوتے ہیں۔

فیروزہ مائی چپ ہوگئی۔ اس کے چہرے پہ فکر کی لکیریں، خوف کے نقطوں میں گڈمڈ ہو رہی تھیں۔ البتہ دیوار پہ گرتے دونوں کے سائے سلیٹ کی طرح صاف اور چپٹے تھے..... اور سیاہ بھی۔

☆☆☆

پارس کے کمرے میں تاریکی تھی۔ بالکونی کی طرف کھلتی فرنچ ونڈو کے آگے پردے لٹکے ہوئے تھے سو چاند کی روشنی چھن کر اندر آ رہی تھی۔ وہ وہیں کرسی ڈالے، فون کان سے لگائے، سر ہلاتی کہہ رہی تھی۔

''میں نے آپ کی پوری بات سنے بغیر فون رکھ دیا تھا، میں سمجھی وہ سویرا ہوں گی مگر وہ شکیل تھا۔''

''شکیل! وہ دبئی سے کیوں آیا، خیریت؟'' انہیں تشویش گزری۔ پارس نے گہری سانس خارج کی۔

''خیریت ہوتی تو نہ آتا۔ اسے پتہ ہے

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

ہیں۔ مگر یہ واحد وجہ نہیں ہوگی۔ وہ بغیر کسی بڑے مقصد کے سب چھوڑ چھاڑ کر اِدھر نہیں آسکتا۔ خیر، میں جلد معلوم کرلوں گی کہ وہ کیوں آیا ہے۔''

''اور سویرا.....؟ ان سے ملاقات کے بارے میں کیا سوچا ہے؟''

''مجھے معلوم ہے مجھے ان سے کیا کہنا ہے، آپ فکر مت کریں، میں نے سویرا اور فیضان کا بہت عرصے انتظار کیا ہے، میں پوری طرح تیار ہوں۔''

دروازے پر دستک ہوئی اور افضل بابا نمودار ہوئے۔ پارس نے مڑ کر انہیں دیکھا اور اندر آنے کا اشارہ کرکے فون میں بولی۔

''او کے تنویر صاحب، جلد ملاقات ہوتی ہے۔''

فون رکھ کر وہ بابا کی جانب متوجہ ہوئی۔

''ہوٹل سے فائز صاحب آئے ہیں، کچھ کاغذات آپ کو دکھانا ہیں۔''

''اس وقت؟'' وہ حیران ہوئی اور باہر پھیلتی رات کو دیکھا۔ پھر اسے بٹھانے کا کہہ کر تھوڑی دیر بعد لان میں آئی تو کرسی پہ کچھ فائلز دیکھتا فائز احتراماً اٹھ کھڑا ہوا۔

''سوری میم، کافی دیر ہوچکی ہے مگر یہ کچھ اہم فیکس تھے، ابھی موصول ہوئے، مجھے آپ سے ڈسکس کرنا تھا تاکہ صبح ہوتے ہی پہلا کام ان پہ عمل درآمد کا کروں۔'' اس کے بیٹھتے ہی فائز نے کھڑے کھڑے جُھک کر سب کاغذ میز پہ پھیلائے۔ لان میں لگے پولز کی روشنی مطالعے کے لیے کافی تھی، وہ دونوں اس کو ڈسکس کرنے لگے۔ پندرہ منٹ ہوئے تھے کہ گیٹ پہ ایک کار رکی۔ دروازے کھلنے بند ہونے کی آواز پہ پارس سر اٹھا کر دیکھنے لگی۔ اٹھی نہیں۔

اس کے عقب میں کھڑے فائز کے چہرے پہ ہلکی سی مسکراہٹ در آئی۔

پہلے تنویر صاحب آتے دکھائی دیے۔ پارس کو دیکھتے ہوئے انہوں نے ہولے سے سر کو جنبش دی، پارس نے سمجھنے والے انداز میں سر ہلایا پھر ان کے پیچھے سویرا نظر آئیں۔

وہی مغرور، نخوت بھرا انداز، گہری چبھتی نگاہیں جن کے متعلق اس نے سن رکھا تھا۔ وہ لمحے بھر میں انہیں پہچان گئی۔ اگر اسے معلوم نہ ہوتا کہ وہ سویرا ہیں تو شاید تب بھی پہچان جاتی، یہ اس کا ذاتی خیال تھا۔ اس نے سویرا کے عقب میں دیکھا۔ فیضان نہیں تھا۔ یقیناً وہ بھی ایسا ہی دِکھتا ہوگا۔ اس کو بھی وہ پہچان لے گی۔

تنویر صاحب قریب آئے تو وہ اٹھی۔ ہلکی سی استقبالیہ مسکراہٹ اور آنکھوں میں چھپایا سرد پن لیے، وہ ہمیشہ کی طرح پُرکشش لگ رہی تھی۔ سویرا نے اس کے سامنے آکر اوپر سے نیچے اسے دیکھا۔ سیدھے بال، خوب صورت آنکھیں، شال کندھوں پہ لپیٹ کر آگے بازوؤں پہ ایک شانِ تمکنت سے ڈالے، کانوں میں بڑی بڑی سلور بالیاں پہنے، وہ ویسی ہی تھی جیسی فیضی نے بتایا تھا۔

مگر اس نے یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ خوب صورت تھی۔ سویرا کوئی شاطر صورت اور تیز طرار پکے چہرے والی لڑکی کی توقع کررہی تھیں۔ گو کہ یہ بھی بیوقوف نہیں لگتی تھی۔ سمجھدار بلکہ عقلمند لگتی تھی مگر اس کی خوب صورتی نے اس کے چہرے کو منفی تاثر نہیں دینے دیا تھا۔ وہ سحر انگیز تھی۔ وہ بلاشبہ اتنی خوب صورت نہیں تھی جتنی سحر انگیز تھی۔

''مسز پارس رضوان حیات..... مسز سویرا اسجد۔'' تنویر صاحب نے آمنے سامنے کھڑی دونوں خواتین کا تعارف کروایا۔ دونوں ان کی طرف متوجہ ہوئے بغیر ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھتی رہیں۔ سویرا کی نگاہوں میں چبھن تھی جبکہ پارس کی آنکھیں سرد مسکراہٹ سے لبریز تھیں۔

''ویلکم مسز اسجد، مجھے خوشی ہے کہ ساڑھے چھ ماہ میں آپ کو یہ گھر مل ہی گیا۔'' پارس کے لبوں سے الفاظ نکلے ہی تھے کہ تنویر صاحب نے حیرت اور

گڑبڑاہٹ سے اسے دیکھا۔ جیسے انہیں اس کے پہلے ہی فقرے میں سویرا کے اب تک یہاں نہ آنے پہ چوٹ کرنے کی توقع نہیں تھی۔

''جی، آپ نے تو اس گھر کو بہت چھپا کر رکھا تھا مگر ہم نے ڈھونڈ ہی لیا۔'' وہ بھی مسکرائیں۔ ''ویسے گھر اچھا ہے آپ کا، البتہ مجھے سمجھ نہیں آئی کہ مری میں ہمارا گھر ہونے کے باوجود بھائی جی نے آپ کو علیحدہ گھر کیوں لے کر دیا۔''

پارس دھیرے سے ہنسی۔ فائز نے بے اختیار اسے دیکھا۔ وہ بہت کم ہنستی تھی یا شاید چند ایک بار ہی ہنسی تھی۔

''اصل میں رضوان جب بھی اپنے لیے گھر بناتے، اس پہ لوگ قبضہ کرلیتے تھے، سو انہوں نے ''چھپا'' کر گھر لیا تاکہ نہ کسی کو پتا چلے، نہ کوئی اسے لینے کی کوشش کرے۔ اور یہ گھر.....'' ساتھ ہی پارس نے پلٹ کر گھر کو دیکھا۔ فائز کی طرف اس کا چہرہ ہوا تو اس نے احتراماً سر جھکا دیا مگر پارس بنگلے کو ہی دیکھ رہی تھی۔

''یہ گھر مجھے بہت پسند تھا، انہوں نے شادی کے گفٹ کے طور پر مجھے یہ دیا تھا۔'' وہ گردن موڑے بنگلے کو دیکھ رہی تھی۔ بنگلا تاریکی میں مصنوعی روشنیوں سے جگمگا رہا تھا۔

ایک دم سے اس کی مڑی گردن سیدھی ہوگئی، وہ کھڑکی سے بیٹھی نظر آنے لگی، کھلے بال بندھ گئے، تاریکی، روشنی میں بدل گئی۔ بنگلے کے فرنٹ کے بجائے اس کے سامنے بنگلے کی بیک سائڈ آگئی۔

وہ جنگل کے سرے پہ، درختوں کے بیچ، پتھر پہ بیٹھی تھی۔ گھٹنوں کے گرد بازوؤں کا حلقہ بنائے، وہ اس بنگلے کو دیکھ رہی تھی جو سامنے، ذرا دور نظر آرہا تھا۔ یوں جیسے آبادی سے دور، کسی جنت میں ایک خوب صورت سا مسکن ہو۔

''آپ نے بتایا نہیں، آپ کی والدہ نے کیا کہا؟''

عقب میں آتی آواز پہ وہ ڈر کر ایک دم اٹھی۔ پیچھے رضوان کھڑے تھے۔ ہمیشہ کی طرح باوقار، پُراعتماد اور مہربان۔ انہیں دیکھ کر اس کی رکی سانس بحال ہوئی مگر پھر فوراً ہی ان کا رعب چھانے لگا۔

''سوری سر، مجھے پتا نہیں چلا، آپ کب آئے؟''

''جب آپ واک سے تھک کر اُدھر بیٹھ گئی تھیں۔'' انہوں نے ٹریک سوٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے کھڑے کھڑے ابرو سے پتھر کی طرف اشارہ کیا۔ یعنی وہ اتنی دیر سے اسے دیکھ رہے تھے؟

''مجھے پتا ہی نہیں چلا۔'' اس نے پھر کہا۔

''وجہ وہ گھر ہے، آپ اس کو بہت توجہ سے دیکھ رہی تھیں۔'' انہوں نے گھر کو دیکھتے ہوئے کہا۔ پارس نے مڑ کر دیکھا پھر سر جھکا دیا۔

''میں روز اس جنگل میں واک کرتی ہوں، مجھے نہیں معلوم تھا کہ اس کے اختتام پہ کسی کا گھر بھی ہوگا۔''

''یہ اس گھر کی بیک ہے، اس کا فرنٹ مین روڈ پہ ہے۔''

''اوہ۔'' اس کے لب سکڑے۔

''آپ کو اچھا لگا؟'' پارس نے نگاہیں اٹھا کر انہیں دیکھا۔

''مجھے گھر بنانے کی خواہش نہیں۔''

''کیوں؟ یہ مایوس کُن رویہ ہماری ریسپشنسٹ پہ سوٹ نہیں کرتا۔'' انہوں نے شاکی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے نفی میں سر ہلایا پھر پتھر پہ بیٹھ گئے۔ ساتھ ہی دوسرے پتھر کی طرف اشارہ کیا۔ پارس نے دیکھا، وہ اس پتھر پہ نہیں بیٹھے تھے جس پہ پہلے وہ بیٹھی تھی، انہوں نے اس کی جگہ اس کے لیے سنبھال کر رکھی تھی۔

''ابھی ڈیوٹی ٹائم نہیں ہے سر، ابھی میں آپ کی ریسپشنسٹ نہیں ہوں۔'' وہ گہری سانس لیتے ہوئے بیٹھی۔

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

''یہ میری بات کا جواب نہیں ہے۔''

''سر مجھے پتا ہے میری امی میری شادی کبھی نہیں کریں گی۔ میں ان کا کمانے والا بیٹا ہوں۔ وہ مجھے کبھی کھونا نہیں چاہیں گی۔''

''کم از کم ایک ڈیڑھ سال تو آپ اپنی تنخواہ محفوظ کرسکتی ہیں۔ کیا آپ نے ان سے کہا جو میں نے کہنے کو کہا تھا؟'' انہیں وہ سوال یاد آیا جو انہوں نے آتے ساتھ کیا تھا۔

''جی..... اور وہ دھوکا کھا بھی گئیں مگر سر، تنخواہ واحد چیز نہیں جو میری مدد کرسکے دراصل میری مدد کوئی بھی نہیں کرسکتا۔ میں ایک ناکام انسان ہوں..... بزدل اور ناکام۔ اس لیے میں نے خود کو وقت کے دھارے پہ چھوڑ دیا ہے۔'' وہ سامنے درختوں کے سائے میں کھڑے خوب صورت گھر کو دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ سرمئی پتھروں کا گھر، سرسبز درخت، نیلا آسمان۔ قدرت کا بہترین کلر کمبینیشن۔

''ہر exploit ہونے والا شخص یہی کہتا ہے۔ پارس آپ کو لوگ استعمال تب کرتے ہیں جب آپ ان کو اجازت دیں۔ آپ خود ذرا سے مضبوط بن جائیں تو آپ کو کوئی استعمال نہیں کرسکتا۔''

پارس نے اداس مسکراہٹ کے ساتھ چہرہ ان کی طرف موڑا۔ وہ دھیمی اپنائیت بھری مسکراہٹ سے اسے دیکھ رہے تھے۔

''یہ وہ شخص کہہ رہا ہے جو خود روز ایکسپلائٹ ہوتا ہے۔''

''میری عمر گزر چکی ہے، میں آج یا کل مرجاؤں گا مگر آپ کے پاس پوری زندگی پڑی ہے۔''

''سر، آپ مجھے مضبوط بننے کا درس دیتے ہیں مگر جس دن آپ خود مضبوط بنیں گے، اس دن میں بھی بن جاؤں گی۔'' وہ اب قدرے آرام دہ انداز میں بول رہی تھی۔ ''ویسے مجھے ابھی تک یقین نہیں آیا کہ کوئی آپ کا استعمال بھی کرسکتا ہے۔''

وہ ہلکا سا ہنسے۔ وہ ہنستے ہوئے بہت اچھے لگتے تھے۔ دل میں احترام پیدا ہوتا۔ اپنائیت سی ہونے لگتی۔

''میں نے شادی نہیں کی۔ جانتی ہیں کیوں؟''

پارس کی آنکھیں حیرت سے پھیلیں۔

''اوہ..... میں سمجھی آپ کے بچے مجھ سے بھی بڑے ہوں گے۔''

''ابھی آپ میری ریسپشنسٹ نہیں ہیں، اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ مجھے بوڑھا کہیں۔'' وہ پُرلطف انداز میں بولے۔ وہ بے ساختہ ہنس دی۔

''میری بہن نے میری شادی کبھی نہیں ہونے دی۔ نوعمری میں ایک منگنی ہوئی تھی کزن سے پھر اچانک ختم ہوگئی۔ جانتا ہوں کہ سویرا نے خاندان میں کچھ باتیں کر کے رشتہ تڑوایا تھا مگر اس وقت میں نوجوان تھا، اسٹرگل کررہا تھا، مجھے پروا نہیں تھی۔ تیس سے اوپر کا ہوا تو شادی کا سوچا، بہت جگہ رشتے کی کوشش کی مگر ہر دفعہ بات ختم ہوجاتی۔ پھر ایک دوست کی بہن تھی، ندا، بہت اچھی لڑکی تھی، وہ رشتہ ہوگیا، اس لیے کہ دوست سے خود بات کرلی، سویرا پہ چھوڑتا تو کبھی نہ ہوپاتا مگر چند مہینے بعد میرے بہن بھائی نے اس بے چاری پہ الزام لگا کر رشتہ توڑنے کا کہا۔ میں نے رشتہ ختم کردیا۔''

وہ حق دق سن رہی تھی۔ یہ اس کی امید و توقع سے بڑھ کر تھا۔

''کیوں؟''

اس لیے نہیں کہ مجھے اس پہ شک تھا، نہیں۔'' انہوں نے دور نظر آتے گھر کو دیکھتے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔ چہرے پہ سوگواریت تھی۔ ''بلکہ اس لیے کہ جب میں اتنا مضبوط تھا ہی نہیں کہ ندا کو برملا صحیح اور سویرا کو غلط کہہ سکوں تو مجھے اس لڑکی سے شادی کرکے اسے سزا دینے کا حق نہیں تھا۔''

''نہیں سر، آپ نے غلط کیا، آپ کو ڈٹ جانا چاہیے تھا۔''

''پارس میں یہ بات آپ کو کیوں بتا رہا ہوں؟ اس لیے نہیں کہ مجھے کتھارسس کرنا ہے۔ بلکہ اس لیے کہ آپ کو یہ سمجھا سکوں کہ ندا کے بعد میں کبھی شادی نہیں کرسکا۔ دس بارہ سال ہوگئے اس بات کو میں نے غلطی کی مجھے اس کے لیے فائٹ کرنا چاہیے تھی۔ مجھے رشتوں میں توازن برقرار رکھنا چاہیے تھا۔ آپ بھی وہی غلطی کررہی ہیں جو لوگ اپنے بہن بھائیوں کے لیے قربانی دیتے ہوئے شادی نہیں کرتے، وہ غلط کرتے ہیں۔''

''مگر سر.....'' اس نے اختلاف کرنا چاہا مگر سارے دلائل بھول گئے۔ دلائل تو شاید کبھی تھے ہی نہیں۔

''وعدہ کریں، مجھ سے نہیں، خود سے کہ آپ مناسب وقت پہ شادی ضرور کریں گی اور اگر آپ نے یہ وعدہ پورا کیا تو یہ گھر.....'' انہوں نے سامنے نظر آتے گھر کی طرف اشارہ کیا۔ ''یہ میں آپ کو شادی کے گفٹ کے طور پر دے دوں گا۔''

''یہ آپ کا ہے؟'' وہ حیران ہوئی۔

''نہیں..... مگر اس کے فرنٹ پہ برائے فروخت کا اشتہار ضرور لگا ہے۔ بولیں، آپ کو شادی کا گفٹ چاہیے یا نہیں؟'' وہ مسکراتے ہوئے پوچھ رہے تھے۔ پارس اداسی سے مسکرائی، ان کو دیکھے گئی۔ اس کی آنکھوں میں سوگواریت تھی۔ ہلکے سے اثبات میں سر ہلا کر اس نے گھر کی سمت دیکھا..... جو لمحے بھر بعد نگاہوں سے اندھیرے میں ڈوب گیا۔ بیک کی جگہ فرنٹ سامنے آگئی۔ اس کے اردگرد سے درخت، پھر رضوان غائب ہوگئے، وہ بیٹھے سے سیدھی، پھر کھڑی حالت میں آگئی۔

پارس نے گردن واپس موڑی۔ اندھیرے

لان میں سویرا اور تنویر صاحب اس کے سامنے کھڑے تھے۔ فائز پیچھے تھا۔

''لگتا ہے بہت مہنگے تحفے وصول کرنے کی عادت ہے آپ کو۔'' اس کی پچھلی بات سویرا کو جھلسا گئی جبھی مسکرا کر طنزیہ بولیں۔

''مہنگے نہیں، قیمتی!'' وہ بھی میٹھا سا مسکرائی۔

''ویسے آپ نے ابھی تک مجھ سے میرے شوہر کے انتقال کی تعزیت نہیں کی۔'' سامنے کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پارس خود بھی بیٹھی۔

''انتقال یا قتل، میں ابھی فیصلہ نہیں کرسکی کہ مجھے افسوس کس کا کرنا ہے۔'' سویرا نشست سنبھالتے ہوئے بولیں اور پارس ویسے ہی مسکراتی رہی۔ تنویر صاحب، سویرا کے عقب میں کھڑے رہے، فائز، پارس کے دائیں ہاتھ کھڑا تھا۔ دونوں خاموش سامع تھے۔

''آپ کو کیا لگتا ہے؟''

''مجھے تو یہ حادثاتی موت نہیں لگتی۔''

''کیا اسی لیے آپ ان کے جنازے میں شریک نہیں ہوئی تھیں؟'' پارس چبھتے ہوئے لہجے میں بولی۔ سویرا کی مسکراہٹ مدھم ہوئی، پیشانی پہ بل پڑا۔

''تنویر بھائی نے بتایا تو ہوگا کہ میرے پیپرز میں مسئلہ ہوگیا تھا، مجھے حال ہی میں آسٹریلین شہریت ملی ہے، اس وقت آنا ناممکن تھا۔''

''ترجیحات کی بات ہے مسز اسجد ورنہ بھائی کا جنازہ آسٹریلین شہریت سے زیادہ اہم نہیں ہوتا۔'' پارس اسی طرح مسکرا رہی تھی۔ فائز نے نگاہوں ہی نگاہوں میں سویرا کو ٹھنڈا رہنے کا اشارہ کیا۔ انہوں نے بہ مشکل ضبط کیا۔

''بھائی جی سے میرا خون کا رشتہ ہے پارس صاحبہ، یہ کبھی نہیں ختم ہوسکتا۔ آپ کا تین لفظوں کا رشتہ تھا جو تین لفظوں سے ختم ہوسکتا ہے۔''

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

''آپ اسجد صاحب کو نہیں لے کر آئیں؟'' ان کی بات ختم ہوئی تو وہ بولی۔

''نہیں، وہ بچوں کے پاس آسٹریلیا میں ہیں۔''

''خیریت ہے، آپ نے انہیں خود سے الگ رہنے دیا، وہ بھی اتنے دنوں کے لیے..... اور اگر انہوں نے تین لفظوں کا رشتہ ختم کر دیا تو؟''

''ہمارا رشتہ اتنا کمزور نہیں ہے۔'' فائز کے بار بار تنبیہہ کرنے کے باوجود سویرا ضبط کھو بیٹھیں اور غصے سے بولیں۔ پارس نے ہلکے سے شانے اچکا دیے۔

''اچھا!'' اور انداز یوں تھا گویا یقین نہ آیا ہو۔ سویرا نے پھر خود پہ قابو پایا اور گفتگو کا رخ موڑا۔

''آپ نے بھائی جی کی موت کی تفتیش کیوں نہیں کرائی؟''

''وہ میرے سامنے..... سیڑھیوں سے گرے تھے۔'' بہت اعتماد سے پارس نے فقرہ ادا کیا۔ مگر دو حصوں میں۔ ''میں ہر چیز کی گواہ ہوں، مجھے تفتیش کی کیا ضرورت؟''

''مگر ہمیں ہے اور وہ ہم ضرور کریں گے کیونکہ ہمیں آپ کی اس کہانی کا یقین نہیں ہے۔''

''جی! میں پوچھنے ہی لگی تھی آپ کے اس (ہم) کے متعلق۔'' پارس کا چہرہ کھل اٹھا جیسے اس کو کچھ یاد آیا ہو۔ ''فیضان نہیں آیا؟''

عقب میں کھڑا فیضان بنا تاثر کے مؤدب سا کھڑا میز کو دیکھتا رہا۔ تنویر صاحب کا چہرہ بھی بے تاثر رہا۔ سویرا نے بھی حتی المقدور کوشش کی کہ فیضی کو دیکھے بغیر جواب دیں۔

''نہیں، وہ نہیں آیا۔''

''اس کے بھی پیپرز کا مسئلہ ہوگا؟'' پارس نے جیسے مسکراہٹ چھپائی۔

اندر لاؤنج کی کھڑکی سے وہ دو خواتین آمنے سامنے بیٹھی اور دو مرد ان کے عقب میں کھڑے نظر آرہے تھے۔ وہ دور تھے، ان کی گفتگو کی آواز یہاں تک نہیں آئی تھی۔ شکیل گہری نظروں سے ان کو دیکھ رہا تھا۔

''تو واقعی نہیں جانتی امی کہ یہ عورت کون ہے؟''

''بولا تو ہے، نہیں جانتی۔ یہ لڑکا تو ہوٹل میں کام کرتا ہے اور یہ موٹا والا بڈھا رضوان حیات کا خاص آدمی تھا مگر عورت کا نہیں پتا۔'' صوفے پہ بیٹھی فیروزہ مائی جھنجلا اٹھی۔

شکیل جواب دینے کے لیے مڑا تو ٹرالی گھسیٹ کر باہر لے جاتے افضل بابا کو دیکھا۔

''اے..... بابا جی.....'' اس نے نخوت سے پکارا۔

''جی صاحب!'' افضل بابا نے رک کر اسے دیکھا۔

''یہ باہر کون آیا ہے؟''

''رضوان صاحب کی بہن ہیں سویرا بی بی، آسٹریلیا سے آئی ہیں۔'' کہہ کر وہ ٹرالی آگے لے گئے۔

شکیل اور فیروزہ نے بے اختیار ایک دوسرے کو دیکھا۔

''بس، تو بیٹھ کر انسانیت کے سبق یاد کرتی رہ اور اس بڈھے کے رشتے دار آکر ہوٹل لے اُڑیں گے۔'' وہ دبے لفظوں میں غصے سے بدبداتا اس کے ساتھ آکر بیٹھا۔ فیروزہ مائی بالکل گم صم ہوگئی تھی۔

''سوچ لے امی۔ پارو کے ہاتھ کچھ نہیں رہنا۔ اس سے پہلے کہ یہ لوگ مقدمہ وغیرہ کریں، ہمیں پارو کو راستے سے ہٹا کر، سب بیچ باچ کر، سارا پیسہ لے کر ملک سے نکل جانا ہے۔ سمجھ آئی یا نہیں۔'' وہ زچ ہو کر بولا تو فیروزہ مائی نے دھیرے سے اثبات میں سر ہلایا، البتہ اس کے انداز میں واضح تامل تھا۔

افضل بابا ٹرالی لے کر مہمان اور میزبان کے قریب آرہے تھے جب انہوں نے پارس کو کہتے سنا۔

''اس کے بھی پیپرز کا مسئلہ ہوگا؟''

''نہیں، وہ کچھ بیمار تھا۔'' وہ سپاٹ لہجے میں بولیں۔ افضل بابا چائے نکالنے لگے۔

''اچھا؟ کیا ہوا اسے؟'' وہ مصنوعی، مذاق اُڑاتی فکرمندی سے بولی۔ ''اور کیا وہ چھ ماہ سے بیمار ہے جو بھائی کے جنازے میں بھی نہیں آیا؟''

سویرا نے بہ مشکل پہلو بدلا۔ وہ ضبط نہیں کر پا رہی تھیں اور فیضان مسلسل ان کو نگاہوں میں چپ رہنے کا اشارہ کر رہا تھا اس حالت میں وہ افضل بابا کا سلام اور چائے نظر انداز کر کے پارس کو جواب دینے لگیں۔

''اس وقت وہ کسی لیگل مسئلے میں پھنسا ہوا تھا، امریکا سے باہر نہیں جاسکتا تھا بلکہ بھائی جی کے انتقال والے دنوں میں تو وہ ویسے بھی نیوجرسی گیا ہوا تھا، اس کو اطلاع دیر سے ملی۔'' کہہ کر انہوں نے تنویر صاحب کو دیکھا، جنہوں نے اثبات میں سر ہلا کر گویا تائید کی۔ پارس مسکرائی۔ افضل بابا اب خاموشی سے چیزیں آگے رکھ رہے تھے۔

''اچھا..... تو یہ کہا تھا اس نے آپ سے؟''

''کیا مطلب؟'' سویرا کے ابرو حیرت سے اٹھے۔

''مطلب یہ مسز سویرا کہ شاید آپ اپنے دونوں بھائیوں کو اچھے سے نہیں جانتیں۔ جس رات رضوان کے ساتھ یہ حادثہ پیش آیا۔ اس رات فیضان یہیں تھا، اسی شہر میں، انہی گلیوں میں۔''

فائز نے بری طرح چونک کر پارس کو دیکھا مگر وہ سویرا کو دیکھ رہی تھی جو کچھ حیران تھیں، متعجب تھیں، بے یقین تھیں، افضل بابا تک ششدر رہ گئے۔ تنویر صاحب بے تاثر رہے۔

''نہیں، فیضان امریکا میں تھا۔ اس نے مجھے خود بتایا تھا۔'' ساتھ ہی سویرا نے پہلے تنویر صاحب کو دیکھا پھر فیضی کو، وہ خود بھی شاکڈ لگ رہا تھا۔ افضل بابا جا چکے تھے۔

''اگر اس کی یادداشت کھو گئی ہو تو اسے بتا دیجیے گا کہ پارس کو اچھی طرح یاد ہے وہ اس رات کہاں تھا۔ یہ بھی کہیے گا کہ پارس اس کا چھ مہینے سے انتظار کر رہی ہے۔ اگر وہ اپنے بھائی جی کے لیے نہیں آیا تو اپنی امانت لینے ضرور آئے جو وہ میرے پاس چھوڑ گیا تھا۔''

فائز اب یک ٹک پارس کے سر کی پشت کو دیکھ رہا تھا جیسے سمجھ نہ آرہا ہو کہ وہ کیا کہہ رہی ہے۔ سویرا کی ساری اکڑ، سارا کروفر، غصہ سب جھاگ کی طرح بیٹھ چکا تھا اور وہ فیضان کا دفاع کرنے کے مزید قابل نہیں رہی تھیں۔

''کیسی امانت؟'' بس دو لفظ بول پائیں۔

پارس جواب دیے بنا اٹھی اور اندر چلی گئی۔ لاؤنج میں قدم رکھا تو سر جوڑ کر بیٹھے کھسر پھسر کرتے ماں بیٹا بے اختیار سیدھے ہوئے۔ وہ انہیں دیکھے بنا اوپر چلی گئی۔

اس کے اندر غائب ہوتے ہی، سویرا نے فیضی کو دیکھا۔

''تم اس وقت پاکستان میں تھے؟'' وہ تیز لہجے میں بولیں۔

''ہاں مگر..... اس کو کیسے پتا؟'' اس نے بے اختیار تنویر صاحب کو دیکھا جنہوں نے گہری سانس لیتے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔

''میں خود نہیں جانتا۔'' گویا اپنی بے گناہی ثابت کی۔

''اور تم نے مجھے نہیں بتایا۔ تم..... فیضی..... تم نے مجھ سے کیوں چھپایا؟'' سویرا آپا کی آنکھوں میں بے یقینی تھی۔ دکھ تھا۔

''نہیں، آپ ابھی تو آئی ہیں، میں سامنے بیٹھ کر بتانے والا تھا، سوچا رات کو بتاؤں گا مگر.....''

''اور تم نے اس کو کیا دیا تھا جو وہ لینے گئی ہے؟''

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

"کچھ نہیں، میں تو اس سے ملا بھی نہیں تھا۔ میں نہیں جانتا، میں سچ کہہ رہا ہوں۔" اس نے بے بسی سے ان کو دیکھا۔ وہ مزید احتجاج نہیں کرسکتا تھا ورنہ دور سے دیکھنے والے کو شک پڑ جاتا کہ وہ ایک دوسرے کو جانتے ہیں۔ تبھی پارس باہر آتی دکھائی دی۔ اس کے ہاتھ میں کچھ تھا۔ فائز نے خود کو کمپوز کیا اور پارس کی طرف دیکھا۔

"میم، میں مزید مداخلت نہیں کرنا چاہوں گا، کیا ہم صبح میں.....؟"

"آپ ٹھہریں، مسز اسجد بس جانے والی ہیں۔" ہاتھ اٹھا کر اسے خاموش کرائی، وہ آپا کے سامنے آئی اور بیٹھنے کے بجائے کھڑے کھڑے میز پہ کچھ رکھا۔

لان میں موجود تینوں افراد نے اس چیز کو دیکھا۔

وہ ایک دھندلے شیشے کا ٹکڑا تھا۔

فائز نے نہ سمجھنے والے انداز میں پارس کو دیکھا پھر سویرا کو۔

"یہ کیا ہے؟"

"اپنے بھائی کو دے دیجیے گا، وہ اسے پہچان لے گا اور مجھے یقین ہے کہ وہ بھی جلد ہی تعزیت کرنے آئے گا۔ یہ دیکھنے کے بعد تو شاید مزید تاخیر نہ کرے۔" وہ مسکرا کر یوں کہہ رہی تھی جیسے یہ آخری بات ہو۔ اب مزید وہ ان کو برداشت نہیں کرسکتی۔

سویرا نے متذبذب انداز میں شیشے کا ٹکڑا اٹھایا اور کھڑی ہوگئیں۔ پارس کو بے بسی، غصے، اچنبھے سے بھری نگاہوں سے دیکھ کر وہ مڑ گئیں۔

"جی تو ہم کیا بات کررہے تھے؟" اس نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے سامنے اشارہ کیا۔ فائز غائب دماغی کے عالم میں اس کے مقابل بیٹھا اور اپنے کاغذات پھیلائے۔ اس کے انداز میں واضح سست روی در آئی تھی۔ وہ یقیناً کچھ اور سوچ رہا تھا۔

☆☆☆

"یعنی تم بھائی جی سے ملے بغیر آ گئے اور تمہیں نہیں معلوم ہوا کہ ان کا انتقال ہو چکا ہے؟" سویرا کمر پر ہاتھ رکھے کھڑی، کڑے تیوروں سے اسے دیکھتے ہوئے پوچھ رہی تھیں۔ وہ دونوں آمنے سامنے اپنے گھر کے برآمدے میں کھڑے تھے، باہر رات پھیل چکی تھی اور سویرا ساری بات کلیئر کرنے کے لیے صبح تک کا انتظار نہیں کرسکتی تھیں۔ پارس کے سامنے وہ شاکڈ اور الجھی ہوئی تھیں مگر رفتہ رفتہ اس کی جگہ غصے نے لے لی تھی۔

"مسئلہ یہ نہیں ہے آپا۔ میں یہ بات تنویر بھائی کو بھی بتا چکا ہوں، چھپانا ہوتا تو انہیں بھی نہ بتاتا۔" وہ جو گھٹنے سے سامنے کھڑا صفائی دے رہا تھا، اب زچ ہوگیا۔ "مسئلہ یہ ہے کہ پارس کو یہ کیسے پتا چلا؟"

"ظاہر ہے، تنویر نے بتایا ہوگا!"

"تنویر بھائی ایسا کیوں کریں گے؟"

"فیضی، تم نے خود مجھے بتایا ہے کہ تنویر اس کے ساتھ ملا ہوا ہے۔" انہیں کوفت ہوئی۔

"وہ تو ہیں اور اسی لیے اگر انہوں نے یہ بات پارس کو بتائی ہوتی تو اسے ہمارے سامنے نہ دُہرانے کی تنبیہہ بھی کرتے..... تاکہ ان پہ شک نہ کیا جائے۔ وہ اس طرح خود کو ایکسپوز نہیں کریں گے۔" وہ صوفے پہ جا بیٹھا اور سر دونوں ہاتھوں میں گرا لیا۔

"اور یہ شیشہ اس کی کیا کہانی ہے؟"

"میں نہیں جانتا..... وہ اس کو کیوں مجھ سے منسوب کررہی ہے مگر یہ میں نے بھائی جی کی جیکٹ کے اندر دیکھا تھا، اس نے اسے سنبھال رکھا تھا۔ مجھے لگا اس نے اسی سے ان کا قتل کیا ہوگا۔" فیضی نے میز پہ رکھا ٹکڑا اٹھایا اور چہرے کے قریب لاکر الٹ پلٹ کر کے دیکھنے لگا۔

"اگر یہ شیشہ آلۂ قتل ہے تو اس کا تم سے کیا تعلق؟" فیضان نے جواب نہیں دیا، وہ شیشے کو غور

سے دیکھ رہا تھا، دفعتاً اس کی آنکھوں میں ایک احساس ابھرا۔ جیسے وہ چونکا تھا۔ جیسے اسے کچھ یاد آیا۔ اس نے سر اٹھایا مگر سویرا کے تاثرات دیکھ کر رکا۔ وہ آنکھیں نکالے مشکوک انداز سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

"کیا، آپا؟"

"بھائی جی کو تم نے تو نہیں مارا، فیضی؟"

ان کے الفاظ تھے یا چابک جو فیضان کے چہرے پہ لگے۔ اس کا رنگ سرخ پڑا۔ لب بھنچے، آنکھوں میں بے یقینی ابھری اور پھر غصہ، وہ تیزی سے کھڑا ہوا۔

"نہیں، میرا مطلب تھا، شاید پارس یہ سمجھتی ہو کہ....." اس کے تاثرات پہ سویرا کو اپنی بات کی سنگینی کا احساس ہوا، انہوں نے وضاحت کرنی چاہی مگر.....

"آپ نے ایسا سوچ بھی کیسے لیا؟ میں اپنے بھائی جی کا قتل کرسکتا ہوں؟ آپ کو لگتا ہے میں اندر سے اتنا evil ہوں؟" وہ دکھی بھی تھا اور حیران بھی۔ "پچھلے ایک گھنٹے سے آپ مجھے یوں Cross-examine کررہی ہیں جیسے میں عدالت میں کھڑا ہوں۔ آج پہلی دفعہ آپ پارس سے ملیں اور بیس منٹ کی اس ملاقات میں اس نے ہم دونوں بہن، بھائی کے درمیان پھوٹ ڈلوادی۔ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوگئی، مبارک ہو۔"

"میرا یہ مطلب نہیں تھا۔ اچھا بیٹھو۔" سویرا نے بازو سے تھام کر اسے بٹھانا چاہا مگر اس نے سر جھٹکتے ہوئے بازو چھڑایا۔

"اب مجھ سے ناراض ہوگے تو وہ واقعی کامیاب ہوجائے گی۔"

"اوکے!" فیضی گہری سانس لیتے ہوئے واپس بیٹھ گیا۔

"کیا تم نے یہ شیشہ پہچان لیا؟" انہوں نے اپنے الزام سے قبل اس کی آنکھوں میں ابھرے چمک جانے والے تاثر کی بابت پوچھا۔ فیضی چند لمحے ان کو دیکھتا رہا پھر نفی میں سر ہلایا۔

"یہ میرا نہیں ہے، میں اسے نہیں پہچانتا۔" اس نے ایک ہی فقرے میں دو جھوٹ بولتے ہوئے شیشہ میز پہ رکھ دیا۔ سویرا خاموش ہوگئیں۔

☆☆☆

لابی میں معمول کی روشنی اور رونق تھی۔ دوپہر کا وقت تھا۔ لوگ آگے پیچھے گزر رہے تھے۔ بے فکر، خوش باش چہرے۔ ایسے میں شاید صرف اسی کا چہرہ فکرمند تھا، پُرتشویش تھا جو ریسپشن ڈیسک سے کہنی ٹکائے کھڑا، دور رکھی کانفرنس ٹیبل کی سربراہی کرسی پہ بیٹھی پارس کو دیکھ رہا تھا۔ پارس کی وہ لمبی میز لابی کے بالکل سرے پہ تھی اور اس وقت وہاں ایک آفیشل لنچ چل رہا تھا۔ پارس ریسپشن ڈیسک کے ساتھ خاموش کھڑے فائز کی جانب متوجہ نہیں تھی جو مسلسل اس کو دیکھتا، بس ایک ہی بات سوچ رہا تھا۔

"وہ شیشہ اس کے ہاتھ کیسے لگا؟ اسے کیسے پتا چلا کہ اس کا مالک فیضان ہے؟ وہ اسے جانتی ہے؟ کیا وہ یہ جانتی ہے کہ فائز ہی فیضان ہے؟" گزشتہ دو دنوں سے اس کے ذہن میں بار بار ابھرتے سوال اب سر میں درد کرنے لگے تھے۔

اسے بھائی جی کے قتل کا اور پارس کے قاتلہ ہونے کا ثبوت نہیں مل رہا تھا۔

اس کے پاس ہوٹل کے اہم کاغذ بھی نہیں تھے۔ اس کے پاس کچھ بھی نہیں تھا۔ وہ ناکام ہورہا تھا۔ سب بہت مشکل لگ رہا تھا اور اس سارے مسئلے کا ایک ہی حل تھا۔ جو کام وہ اس صبح جنگل میں ادھورا چھوڑ آیا تھا، اب پورا کردے۔ ایک دفعہ پارس مرجائے، وہ سب ہتھیا لے گا۔ بھلا پھر کون اسے اور سویرا آپا کو ہوٹل سے نکالنے کی جرأت کرسکے گا۔ تنویر کو کی جانے والی رقم ٹرانسفر کے ثبوت کو وہ انہیں بلیک میل کرنے کے لیے استعمال کرسکتا ہے۔ یوں ان کا منہ بند ہوجائے گا۔ پارس

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

مرجائے، سب ٹھیک ہوجائے گا۔

وہ اس نتیجے پہ پہلے ہی پہنچ چکا تھا۔ آج وہ فیصلہ کرکے آیا تھا۔ اس نے لمبی ٹیبل کی سربراہی کرسی پہ بیٹھی پارس اور اس کے مہمانوں کو دیکھا اور پھر ان کے سامنے خالی برتنوں کو..... کھانا لگنے والا تھا۔ آرڈر دیے بیس منٹ ہوچکے تھے اور کسی بھی وقت سرونگ شروع ہونے والی تھی۔ فیضان مڑا اور تیز تیز قدموں سے ریسٹورنٹ کی طرف بڑھا۔ وہاں سے وہ ہوٹل کے کچن میں آیا۔

اُدھر معمول سے ذرا زیادہ افراتفری پھیلی تھی۔ ہیڈ ویٹر سارے میں بولتا، ڈانٹتا پھر رہا تھا۔ بار بار مسز پارس کی ٹیبل کے آرڈر کو دُہرایا جارہا تھا سب تیار تھا۔ شیف نے سوپ کا بھرا ہوا پیالہ سجا کر ٹرے میں رکھا۔ جو ویٹر اسے اٹھانے کے لیے آگے آیا، فیضان کو دیکھ کر رکا۔

''پانی نہیں رکھا آپ نے۔'' اس نے برہمی سے ویٹر کو مخاطب کیا۔ وہ فوراً مستعدی سے پلٹا۔ بس پانچ سیکنڈ کے لیے سوپ والی ٹرے کے گرد فائز کے سوا کوئی نہ رہ گیا۔ اس نے تیزی سے جیب سے ایک ننھی شیشی نکالی اور سامنے سب کو دیکھتے ہوئے شیشی سوپ میں الٹی اور واپس جیب میں رکھ دی۔

گرم بھاپ اڑاتے سوپ میں وہ فوراً گھل مل گئی۔ ویٹر پانی لے کر واپس آیا، یہ میڈم پارس کا آرڈر تھا۔ وہ سب جانتے تھے۔

فائز وہاں سے نکل آیا۔ چند ہی لمحوں بعد وہ ریسپشن ڈیسک کے ساتھ کھڑا تھا۔ پارس اسی طرح مسکرا کر رسمی انداز میں اپنے مہمانوں سے بات کررہی تھی۔ باری باری ویٹرز آکر ان کے سامنے آرڈر رکھنے لگے۔ فائز کی نگاہیں ہر ایک ٹرے کو دیکھتیں پھر ان میں نفی کا تاثر ابھرتا۔ پارس کے خاص، سبزی کے سوپ کی ٹرے ابھی تک نہیں آئی تھی۔

فائز کے چہرے پہ بے چینی در آئی۔ دل دھڑک رہا تھا۔ کامیابی سے چند قدم دور یا کسی بڑی تباہی سے چند گز قریب، وہ کہاں کھڑا تھا، وہ نہیں جانتا تھا۔

''میں بھائی جی کی موت کا بدلہ لے رہا ہوں۔'' وہ خود کو کہہ رہا تھا مگر اس کا دل عجیب سے احساس میں گھرا تھا۔ دفعتاً اس نے ویٹر کو اس ہرے سوپ کی ٹرے لاتے دیکھا۔ وہ بالکل ساکن ہوگیا۔ جیسے کوئی مرا ہوا آدمی سیدھا کھڑا ہو۔

ویٹر نے ٹرے سے سوپ کا پیالہ سرونگ ڈش کے ہمراہ پارس کے سامنے رکھا۔ پارس نے نیپکن گود میں بچھاتے ہوئے ہلکا سا تھینکس کہا۔ لنچ شروع ہوچکا تھا۔ سب اپنے چھری کانٹے سنبھال رہے تھے، البتہ وہ اس وقت صرف سوپ لیا کرتی تھی۔

اس نے سویا ساس اٹھائی اور سوپ میں چند قطرے ٹپکائے۔ پھر چند ایک دوسری ساسز ڈالیں۔ سوپ کی سطح پر مختلف رنگوں کے قطرے اور دھاریں بکھری تھیں۔ اس نے سوپ کا چمچ دھیرے سے اندر ہلایا۔ سارے رنگ مکس ہوتے گئے۔ ہرا مائع ہلکے سے گہرے رنگ کا ہوگیا۔

پارس سر جھکائے، اس سرمئی ہرے مائع کو دیکھتے ہوئے ذرا سا مسکرائی۔ یہ مدھم مسکراہٹ اپنے مہمانوں کو دی جانے والی پیشہ ورانہ مسکراہٹ سے قطعاً مختلف تھی۔ اس میں اداسی بھی تھی، امید بھی، دکھ بھی، ڈر بھی اور کوئی خوب صورت یاد بھی.....

وہ دھیرے دھیرے چمچ ہلا رہی تھی۔ سارے رنگ اندر گھل مل گئے۔ سوپ میں تیرتے ٹکڑے گول گول گھوم رہے تھے۔ درمیان میں منجدھار سا بن رہا تھا..... گول گول گھومتا منجدھار.....

رضوان حیات اس لمبی ٹیبل کی سربراہی کرسی پہ اکیلے بیٹھے تھے۔ ان کے مہمان لنچ کے بعد ابھی ابھی اٹھ کر گئے تھے۔ وہ سبزی کا سوپ کب کا ختم کرچکے تھے اور اب نیپکن سے لب تھپتھپا رہے تھے۔

ویٹرز آگے پیچھے پھرتے برتن اٹھا رہے تھے۔ باقی لوگوں نے جی بھر کر کھایا تھا البتہ رضوان کے سامنے صرف سوپ کا خالی پیالہ تھا۔ وہ دوپہر میں صرف سوپ لیتے تھے۔

نیپکن رکھ کر انہوں نے سر اٹھایا تو ریسپشن پہ کھڑی وہ..... بالیوں والی لڑکی انہی کو دیکھ رہی تھی۔ ان کو دیکھتا پا کر وہ جھینپ کر نیچے جھک گئی۔ پھر سیدھی ہوئی تو ہاتھ میں ایک پیکٹ تھا۔ اب وہ کاؤنٹر کے ایک طرف سے نکل کر اُن کی سمت آرہی تھی۔

رضوان ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھے گئے۔ سیاہ کوٹ اور اندر بھورے گرم سویٹر میں وہ ہمیشہ کی طرح باوقار لگ رہے تھے۔ ریسپشنسٹ مدھم مسکراہٹ کے ساتھ چلتی ان تک آئی اور جھک کر پیکٹ ان کے سامنے رکھا۔

''سر! تنویر صاحب صبح میں دے کر گئے تھے، ان کو شہر سے باہر جانا تھا۔ آپ دیکھ لیں۔''

''تھینکس، پارس۔'' رضوان حیات نے پیکٹ اٹھا کر کھولا۔ پارس کا چہرہ چمکنے لگا۔ کوئی کچھ نہ کہے، بس آپ کا نام پکار کر ایک لفظ بھی بول دے تو کتنا اچھا لگتا ہے.....

وہ عینک لگا کر اندر موجود کاغذ پڑھنے لگے۔

''بیٹھ جائیں، کھڑی کیوں ہیں؟'' پڑھتے ہوئے انہوں نے کہا۔

''تھینک یو، سر! مگر اچھا نہیں لگے گا۔''

''کس کو؟'' انہوں نے عینک کے اوپر سے اسے دیکھا جو ہاتھ باندھے کھڑی تھی۔

''میرے ساتھی ریسپشنسٹ کو۔ اسے لگے گا، باس کے ساتھ بیٹھ کر مجھے ترقی مل رہی ہے اور اپنے پڑوسی کی ترقی کسی کو اچھی نہیں لگتی سر! بادشاہ، بادشاہ سے جلتا ہے اور فقیر، فقیر سے۔'' وہ جیسے بے بسی سے مسکرائی۔ رضوان نے مسکرا کر سر جھٹکا۔

''جب آپ ہماری ریسپشنسٹ ہوتی ہیں تو بہت اچھی باتیں کرتی ہیں اور جب نہیں ہوتیں تو صرف باتیں کرتی ہیں اور وہ اچھی نہیں ہوتیں۔'' وہ کاغذ پہ نگاہیں دوڑاتے کہہ رہے تھے۔

''میں نے فیصلہ کرلیا ہے سر۔'' وہ بولی تو اس کا پورا چہرہ glow کرنے لگا۔ ''میں بدلنا چاہتی ہوں، میں لوگوں کے ہاتھوں مزید ایکسپلائٹ نہیں ہونا چاہتی۔ میں مضبوط بننا چاہتی ہوں۔''

''تاکہ آپ شادی کرلیں اور وہ گھر آپ کو مل جائے؟'' وہ طنز نہیں کررہے تھے، پوچھ رہے تھے۔ پارس نے مسکرا کر نچلا لب دانتوں سے دبایا۔

''سر! مجھے اس گھر سے بڑھ کر آپ سے کچھ اور چاہیے۔ وہ اعتماد جو آپ میں ہے، مجھے وہی مضبوطی چاہیے۔''

''مگر آپ تو کہتی ہیں کہ میں خود کو نہیں بدل سکتا تو آپ کو کیسے بدلوں گا؟''

''آپ بھی بدل جائیں گے کیونکہ کوئی پینٹر ایسا نہیں ہوتا جو کسی تصویر میں رنگ بھرے اور اس کے اپنے ہاتھوں پہ رنگوں کے نشان نہ پڑیں اور ایسا کبھی نہیں ہوسکتا کہ آپ کسی کے اوپر عطر کی پوری بوتل انڈیل دیں اور آپ کے اپنے ہاتھ نہ مہکیں۔''

''اچھا واقعی!'' رضوان حیات نے دلچسپی سے اسے دیکھا۔ ''اگر آپ بدلنا چاہتی ہیں تو ڈرنا چھوڑ دیں۔''

''چلیں، چھوڑ دیا۔''

''پھر اپنے ساتھی ریسپشنسٹ کی پروا نہ کرتے ہوئے بیٹھ جائیں۔'' انہوں نے قریبی کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ پارس کے چہرے پر مسکراہٹ سمٹی، اس کی جگہ ہیجان نے لے لی۔ اس نے ایک متذبذب نگاہ ریسپشن پر ڈالی جہاں ساتھی لڑکا کوئی فون اٹینڈ کرتے ہوئے مسلسل ان دونوں کو دیکھ رہا تھا۔

''اگر آپ نہیں بیٹھیں گی تو میں اس کو بلا کر پوچھ لیتا ہوں کہ اس کو کوئی مسئلہ تو نہیں ہے اس بات سے؟''

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

''اٹس اوکے سر!'' وہ تیزی سے دائیں ہاتھ کی قطار کی پہلی کرسی پہ بیٹھ گئی پھر ہمت کر کے مسکرائی۔

''آپ جتنا ڈریں گی، لوگ آپ کو مزید ڈرائیں گے۔ جب ڈرنا چھوڑیں گی تو لوگ آپ سے ڈرنے لگیں گے۔ غلط بات پہ خاموش رہنا چھوڑ دیں، آپ سے کوئی غلط بات کرنے کی ہمت نہیں کر سکے گا۔ بس اب آپ جا سکتی ہیں۔ آخر آپ کو اپنے ساتھی کا غصہ بھی تو سہنا ہے۔''

''میں اس سے نہیں ڈرتی۔'' وہ گردن سیدھی اٹھا کر مجبوراً خود پہ طاری کردہ فخر سے بولی اور کھڑی ہوگئی۔

''وہ تو میں دیکھ رہا ہوں۔'' وہ واپس کاغذات کی جانب متوجہ ہوگئے۔ پارس دھڑکتے دل کے ساتھ واپس اپنی جگہ پہ آئی تو ساتھی لڑکا جواب کی بورڈ پہ کچھ ٹائپ کر رہا تھا، تیزی سے اس کی طرف مڑا۔

''رضوان صاحب تم سے کیا کہہ رہے تھے؟''

''کچھ نہیں۔'' پارس سر جھکائے اپنے پرس کو کھنگالتے ہوئے بولی۔

''مگر تم اُن کے ساتھ بیٹھی تھیں۔''

پارس نے آنکھیں بند کیں گہری سانس اندر اتاری پھر آنکھیں کھول کر گردن اٹھا کر اسے دیکھا۔

''وہ تمہیں جاب سے نکال کر کسی اور کو ریسپشن پہ رکھنا چاہتے ہیں۔ مجھ سے پوچھ رہے تھے کہ ایسا کریں یا نہیں۔ میں نے کہا، نہ کریں، یہ لڑکا بہت اچھا کام کر رہا ہے۔ بس یہی بات تھی۔'' وہ سنجیدگی سے کہہ کر اپنے کمپیوٹر پہ جھک گئی۔ وہ ہکا بکا اسے دیکھ رہا تھا۔

گول، گول گھومتا منجدھار اب ساکن ہو رہا تھا۔ پارس نے سوپ کو ہلانا ترک کر دیا تھا۔ اس کی مسکراہٹ اب سمٹ کر محض آزردگی کا نشان رہ گئی تھی۔ آنکھوں میں، دل میں، بس ایک تکلیف۔ اس نے بے اختیار سر اٹھا کر ریسپشن ڈیسک کو دیکھا۔ وہاں پہ وہی لڑکا آج بھی کوئی فون اٹینڈ کر رہا تھا۔ ساتھ کاؤنٹر پہ کہنی رکھے فائز کھڑا تھا۔

پارس ہلکا سا مسکرائی۔ فائز جواباً بدقت تھکان سے مسکرایا جیسے وہ مضطرب اور ناخوش ہو۔ پارس اپنے سوپ کی طرف متوجہ ہوئی۔

لوگ خود چلے جائیں، تب بھی اپنے اثرات، اپنی عادات ہمارے اردگرد ثبت کر جاتے ہیں۔ یہ سوپ بھی اس کے روڈ میپ کا ایک سائن بورڈ تھا۔

فائز نے دھڑکتے دل سے اسے دیکھا۔ اس کے لب اضطرابی انداز میں بھنچے ہوئے تھے۔ اس نے کہنی کاؤنٹر سے ہٹا دی تھی۔ وہ اب کسی اور طرف نہیں دیکھ پا رہا تھا۔

پارس نے چمچ بھرا اور لبوں کے قریب لے کر آئی۔ کن انکھیوں سے اسے کاؤنٹر پہ حرکت کا احساس ہوا۔ اس نے فائز کو اپنی جانب آتے دیکھا۔ چمچ نے ابھی اس کے لبوں کو چھوا ہی تھا کہ.....

''اسٹاپ۔'' وہ تیزی سے اس کے سر پہ پہنچا اور اس کا چمچ والا ہاتھ پکڑ کر پرے کیا۔ پارس کا ہاتھ مڑا، سوپ چھلک گیا، وہ شاکڈ رہ گئی باقی لوگ بھی اسے دیکھنے لگے۔

''میم، آئی ایم سوری مگر.....'' وہ اس کا ہاتھ چھوڑ کر ہانپتے ہوئے بول رہا تھا۔ ''مگر جب ویٹر لا رہا تھا تو میں نے..... دیکھا اس میں کوئی کیڑا گرا اور پھر باہر نکل گیا۔ آئی ایم سوری.....'' اس نے دونوں ہاتھ اٹھا کر سب سے معذرت کی۔ ''مت پئیں، یہ خراب ہو چکا ہے سوری۔'' اس نے سوپ کا پیالہ اٹھا لیا پھر سب سے معذرت کی اور تیزی سے وہاں سے چلا گیا۔ البتہ اب اس کے چہرے پر ذرا سکون تھا۔

پارس حق دق بیٹھی تھی۔ دماغ ذرا کام کرنے کے قابل ہوا تو اس نے بدقت مسکرا کر تمام لوگوں کو دیکھا جو کھانا چھوڑ کر بیٹھے تھے۔ اس نے معذرت کی اور کوئی اور ذکر چھیڑ دیا۔ چند لمحوں میں ماحول نارمل ہونے لگا۔

بلکہ وہ خود گاہے بہ گاہے پریشانی سے ریسپشن پہ نظر ڈال لیتی تھی۔ فائز اب وہاں کہیں نہیں تھا۔

☆☆☆

شکیل لاؤنج کے صوفے پہ ٹانگیں لمبی کیے بیٹھا ٹی وی دیکھ رہا تھا۔ ساتھ میں وہ ایک خوب صورت کرسٹل پلیٹ..... میں رکھے خشک میووں سے بھی انصاف کر رہا تھا۔ فیروزہ مائی کچن سے نکلی تو اسے دیکھ کر فکرمند نظر آنے لگی۔ وہیں اس کے سامنے آ کر بیٹھ گئی اور بولی۔

''شکیل! تو نے آگے کا کیا سوچا؟''

''سوچنا کیا ہے، جو ذہن میں تھا بتا دیا۔ بتانے سے یاد آیا، ہزار دو ہزار ہوں گے تیرے پاس؟'' اس نے اس پلیٹ..... کے بادام کے خانے میں سے مٹھی بھری اور منہ میں رکھتے ہوئے پوچھا۔

''میرے پاس کچھ نہیں ہے وہ کچھ دیتی ہی کب ہے؟'' فیروزہ مائی کی جان جل گئی۔

''پہلے بھی تو نہیں دیتی تھی تو خود لے لیتی تھی۔ اب کیا ہو گیا ہے؟''

''پہلے وہ رضوان حیات کی بیوی نہیں تھی۔''

''ہوہ۔'' اس نے اب دو انگلیوں سے کشمش اٹھاتے ہوئے تصحیح کی۔

''اب میں اس کے منہ نہیں لگنا چاہتی۔''

''مگر اس کے تالوں میں چابی تو اب بھی تُو لگا گئی ہے امی۔'' شکیل سیدھا ہو کر بیٹھا اور سنجیدگی سے دیکھا۔

''چپ کر۔'' فیروزہ مائی نے گھبرا کر اِدھر اُدھر دیکھا اور پھر شکیل کو.....

''لے کھا اور سوچ، اس کے لاکرز کدھر ہوتے ہیں۔'' شکیل نے کرسٹل کی ڈرائی فروٹ پلیٹ اس کی طرف بڑھائی۔ فیروزہ مائی نے تشویش زدہ نگاہوں سے اسے دیکھا۔ گول پلیٹ میں کراس لگا کر چار خانے بنے تھے۔ ہر خانے میں میوے تھے۔ بادام، اخروٹ، کشمش اور کاجو۔ تمام خشک میوہ جات آدھے، آدھے بچے تھے۔ ان کے خانوں میں کرسٹل کی زمین نظر آ رہی تھی، دھندلا کرسٹل جو منعکس بھی کرتا اور آر پار بھی دکھاتا۔

فیروزہ مائی کی نگاہیں کرسٹل کی سطح پہ جم گئیں۔ اَن مٹ کہانیاں ایک دفعہ پھر ابھرنے لگی تھیں۔

کمرے کا دروازہ آدھا کھلا تھا۔ شکیل نے آواز دینے کا سوچا۔ پھر ارادہ ترک کر کے اندر جھانکا۔ سامنے کا منظر دیکھتے ہی اس کی آنکھیں اچنبھے سے پھیلیں۔

فیروزہ مائی زمین پہ بیٹھی، الماری کے نچلے خانے سے کچھ تلاش کر رہی تھی۔ تلاش کافی دیر سے جاری تھی کیونکہ ساری الماری کا سامان باہر بکھرا تھا۔

''امی!'' فیروزہ مائی ڈر کر پلٹی۔ اسے دیکھتے ہی اس کی اُڑی رنگت بحال ہوئی جیسے سانس میں سانس آئی۔

''تو نے تو مجھے ڈرا ہی دیا تھا۔'' وہ سونے کے جھمکوں والے کانوں کے پیچھے دوپٹا اُڑس کر دوبارہ الماری کی طرف متوجہ ہوئی۔ شکیل نے حیرت سے سارے میں نظر دوڑائی۔

''تو کیا کر رہی ہے پارو کی الماری میں؟ اور پارو کدھر ہے؟'' ساتھ ہی آس پاس دیکھا۔

''وہ ٹیوشن سینٹر گئی ہے۔ موقع اچھا ہے اس کے آنے تک میں اس کے صندوق کی چابی ڈھونڈ لوں گی۔'' فیروزہ مائی کے ہاتھ اور زبان مسلسل چل رہی تھی۔ شکیل نے الجھن سے اسے دیکھا تبھی چارپائی پہ رکھا چھوٹا سا صندوق نظر آیا جس کو ننھا سا تالا لگا تھا۔

''اس میں کیا ہے؟''

''پارو کی ماں کا زیور ہے۔ اس نے اپنی بہن کے پاس رکھوایا تھا۔ کل وہ ایبٹ آباد سے آئی تھی تو پارو کو دے گئی ہے۔''

''اچھا، وہ پارو کی خالہ اس لیے آئی تھی؟''

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

شکیل نے ساتھ ہی صندوق اٹھایا۔ چھوٹا سا جیولری باکس۔اس نے ہلایا۔اندر چیزیں چھن چھن بجیں۔

''مل گئی۔'' فیروزہ مائی کی فاتحانہ پکار بلند ہوئی۔ تھکاوٹ مگر خوشی سے معمور پکار۔ وہ ننھی سی چابیوں کا رِنگ لیے پلٹی اور صندوق شکیل کے ہاتھ سے جھپٹا۔

''تو زیور کا کیا کرے گی؟''

''چپ تو کر۔'' اس نے تالا کھولا اور ڈھکن اٹھایا۔ اندر سونے کی چمک نے آنکھیں خیرہ کر دیں۔ گوکہ ایک ہار، دو بندے اور دو کڑے ہی تھے اور بہت بھاری بھی نہ تھے مگر پیلے رنگ کی اس دھات کی شکل ہی دل باندھ دیا کرتی ہے۔

''تو باہر دیکھ، وہ آ نہ جائے۔'' اس کو دروازے پہ پہرہ دینے کا کہہ کر فیروزہ مائی جلدی جلدی زیور نکال کر اپنے دوپٹے پر رکھنے لگی۔ پھر اس نے دوپٹے کے پلّو کے کونے پر باندھ کر پوٹلی بنائی، آخری گرہ دی اور.....

''لے کھا ناں.....'' شکیل کی آواز پر وہ چونکی۔ پھر بددلی سے نفی میں سر ہلایا۔

''مجھے نہیں پتا وہ پیسے کدھر رکھتی ہے۔ کمرے میں شاید کوئی لاکر ہو اور.....''

شکیل اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ جانتی تھی وہ کیا کرنے جا رہا ہے، سو بات ادھوری چھوڑ دی اور خود بھی اس کے پیچھے چلی آئی۔ پریشانی، تجسس۔ لالچ سب گڈمڈ ہو گیا۔

پارس کے کمرے میں خاموشی اور نیم تاریکی تھی۔ شکیل نے بتی جلائی اور پھر الماری کے ایک، ایک کر کے سارے پٹ کھولے۔ نفاست سے ٹنگے کپڑے، تہ لگی شالز، جوتے۔ صرف ایک نظر میں ہی ساری الماری سامنے آ گئی۔ شاید آدھا منٹ بھی نہیں ہوا جب شکیل کو نچلے، جوتوں کے خانے میں سیف نظر آیا۔ وہ پنجوں کے بل جھکا اور سیف کو باہر نکالنا چاہا مگر وہ وہاں نصب تھا۔ اس نے جھکے، جھکے اس کے دروازے پر ہاتھ پھیرا۔

وہاں صفر سے نو تک دس ہندسے بنے تھے اور ساتھ چھوٹی سی اسکرین۔

''یہ کیسے کھلے گا؟'' فیروزہ مائی اس کی پشت پہ جھکی تشویش سے دیکھ رہی تھی۔

''اس کا پاس ورڈ لگانا پڑے گا، تجھے پتا ہے پاس ورڈ کیا ہے؟'' شکیل نے نمبرز پر ہاتھ پھیرتے ہوئے پوچھا۔

''میں بتاؤں پاس ورڈ؟''

وہ دونوں کرنٹ کھا کر پلٹے۔

دروازے میں پارس کھڑی تھی۔ سینے پہ بازو لپیٹے، کندھے پر پرس، چہرے پر سکون اور آنکھوں میں سرد مہری۔ شکیل تھوک نگلتے بہ مشکل اٹھا۔ فیروزہ مائی کا چہرہ فق ہو چکا تھا۔

''وہ.....'' فیروزہ مائی نے کچھ کہنا چاہا، پارس نے ہاتھ اٹھا کر روکا۔

''کسی جھوٹ کی ضرورت نہیں ہے، یہ میری خالہ کے صندوق کا تالا نہیں ہے جسے تم دونوں کھول لو گے۔'' وہ اندر آئی اور پرس اتار کر سنگار میز پر رکھتے ہوئے بولی۔ ''اس لیے میرا تم دونوں کے لیے ایک مشورہ ہے۔'' گلاسز میز پر رکھ کر وہ پلٹی اور شکیل کے سامنے آ کر اس کی آنکھوں میں دیکھ کر سختی سے بولی۔

''یہ میرا گھر ہے، اگر اِدھر رہنا ہے تو انسانوں کی طرح رہو، ورنہ تمہارا سامان اٹھا کر باہر پھینکنے میں مجھے پانچ منٹ بھی نہیں لگیں گے، سمجھے تم؟''

''تم سیدھے طریقے سے پیسے دے دو، تو مجھے انگلیاں ٹیڑھی نہیں کرنی پڑیں گی۔'' وہ سنبھل چکا تھا اس لیے خباثت سے مسکرا کر بولا۔

''ایک پیسہ نہیں دوں گی، جو کرنا ہے کر لو، ناؤ گیٹ آؤٹ۔'' اس نے انگلی سے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔ شکیل نے کالر جھٹکا، منہ ہی منہ میں

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

مسکرا کر کچھ بولا اور باہر نکل گیا۔ فیروزہ مائی پارس سے نگاہ ملائے بغیر جانے کے لیے مڑی تو اس نے اسے کہنی سے تھام کر روکا۔

''اپنے بیٹے کو سمجھا دو، ورنہ تم نے ہی کہا تھا کہ پارس نے رضوان حیات کو مارا ہے تو یاد رکھو، اگر میں رضوان حیات کو مار سکتی ہوں تو تمہارا بیٹا کیا چیز ہے؟'' انگلی اٹھا کر تنبیہہ کرتے ہوئے وہ بولی تو بیک وقت فیروزہ مائی کے چہرے پر کئی رنگ آ کر گزرے مگر وہ کچھ کہے بنا باہر نکل گئی۔

شکیل اپنے کمرے میں بیڈ کے سرے پر بیٹھا تھا۔ فیروزہ مائی نے اندر قدم رکھا تو اس نے سر اٹھایا۔

''یہ تو واک کے لیے گئی تھی، اتنی جلدی کیسے آ گئی؟'' فیروزہ مائی جواب دیے بنا قریب آئی اور شکیل کا چہرہ سوگواریت سے دیکھا۔

''تو ٹھیک کہتا تھا اگر یہ زندہ رہی تو رضوان حیات کی طرح تجھے بھی مار دے گی، ناگن۔''

''یعنی تو میرے ساتھ ہے امی؟'' بالآخر شکیل کے چہرے پر سکون آمیز مسکراہٹ ابھری۔

فیروزہ مائی نے سر ہلا دیا۔ نفی میں نہیں۔ اثبات میں.....

☆☆☆

وہ بیڈ پر چت لیٹا تھا۔ بیڈ کور سینے تک ڈالا تھا اور ویران آنکھوں سے وہ چھت کو تک رہا تھا۔ کمرے میں اندھیرا سا تھا۔ چوکھٹ پہ کھڑے شخص کا پہلے ہیولا نمودار ہوا پھر اس نے لائٹ جلائی تو بستر پر لیٹا فیضان چونکا۔

''فیضی! ایسے کیوں لیٹے ہو؟ طبیعت تو ٹھیک ہے؟'' سویرا آپا آگے آئیں اور اس کی پیشانی چھوئی۔

''ٹھیک ہوں۔ بس تھک گیا تھا۔'' وہ سیدھا ہو کر اٹھ بیٹھا اور دونوں آنکھیں ملیں بہت دیر اندھیرے میں رہنے کے بعد ایک دم ڈھیر ساری روشنی یونہی چند لمحے کے لیے بصارت کو چندھیا دیتی ہے..... مگر پھر جیسے جیسے آنکھیں عادی ہوتی ہیں ہر شے واضح نظر آنے لگتی ہے، اور..... دل مزید بوجھل ہو جاتا ہے۔

''آپ اِدھر کیسے؟ کسی نے دیکھ لیا تو؟'' اس نے پلکیں سکیڑے سویرا آپا کو دیکھا، جو اَب سامنے کرسی پہ بیٹھ گئی تھیں۔

''پارس آفس میں ہے اور مجھے باقی کسی کا خوف نہیں مگر تم اتنے بجھے، بجھے کیوں لگ رہے ہو؟''

''یونہی۔'' فیضان نے پھر سر جھکا دیا۔ وہ رات سے یونہی لیٹا تھا اور اب صبح ہو چکی تھی۔ اس کے جوگرز ابھی تک پیروں میں تھے۔ گزشتہ روز والا اضطراب بھی چہرے پہ تھا۔

''تنویر بھائی کا فون آیا تھا، بتا رہے تھے کل تم نے پارس کا سوپ اُلٹ دیا۔ اس کا اتنا خیال کب سے ہونے لگا تمہیں؟'' وہ خفا تھیں اور مشکوک بھی۔

فیضان نے تھکی، تھکی نگاہوں سے سویرا آپا کو دیکھا۔

''کیونکہ میں بہت کچھ ہو سکتا ہوں مگر قاتل نہیں۔ میں اسے قتل کرنا چاہتا تھا مگر نہیں کر سکا۔''

''فیضی!'' وہ مزید کچھ نہ بول سکیں۔

''ہاں اس نے بھائی جی کو قتل کیا ہے، ہاں اس نے ہم سے بھائی جی کو چھینا ہے مگر میں اسے قتل نہیں کر سکتا۔ مجھ سے یہ نہیں ہوا۔'' وہ سر دونوں ہاتھوں میں گرائے تھکاوٹ سے کہہ رہا تھا۔

''تم اپنے مقصد سے ہٹ رہے ہو۔ یاد ہے تم نے یہاں آنے سے قبل مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ جب تم یہاں سے جاؤ گے تو پارس اِدھر نہیں ہوگی۔'' وہ بے چینی سے تیز تیز بول رہی تھیں جیسے پٹڑی کے آگے سے ہٹ جانے والے بچے کی انگلی پکڑ کر اسے جلدی، جلدی ٹرین کے سامنے لانے کی کوشش کر رہی ہوں۔

''مگر میں کیا کروں؟ میں اس کو مار نہیں سکتا۔

مجھے اب بھی شک ہے کہ وہی بھائی جی کی قاتل ہے مگر میں اس کے ساتھ وہ نہیں کر سکتا جو اس نے بھائی جی کے ساتھ کیا۔ میں کسی سے یوں جینے کا حق نہیں چھین سکتا۔ ہم قانونی کارروائی کر رہے ہیں ناں، کیا وہ بہت نہیں ہے؟''

سویرا آپا نے افسوس سے اسے دیکھا۔

''ہو تو تم بھائی جی کے بھائی۔ اس کے حُسن نے تمہیں بھی ان کی طرح مسحور کر دیا ہے مگر یاد رکھنا، میں تمہیں بھائی جی والی غلطی نہیں کرنے دوں گی۔''

''آپ بات کو کس طرف لے کر جا رہی ہیں؟ مجھے اس کی شکل سے کوئی لینا دینا نہیں ہے۔'' وہ برا مان کر بولا مگر سویرا آپا نفی میں سر ہلاتی اٹھ کھڑی ہوئیں۔

''تم بزدل ہو گئے ہو فیضی۔'' حسبِ توقع اس کا چہرہ سرخ ہوا۔

''میں بزدل نہیں ہوں، میں صرف.....''

''اور کیسے کہتے ہیں بزدلی؟ تم اگر اپنے باپ جیسے بھائی کے قتل کا بدلہ نہیں لے سکتے تو تم اپنے مرد ہونے پر لعنت کرنا۔'' وہ غصے میں کہہ کر تیزی سے باہر نکل گئیں۔ فیضی لب کاٹتا ان کو دیکھتا رہ گیا پھر بے اختیار بے بسی و غصے سے بیڈ پہ زور سے مکا مارا۔

''ڈیم اٹ.....!''

پھر کھڑکی میں آ کھڑا ہوا تو دیکھا دور جنگل میں پارس چلتی جا رہی تھی۔ وہ خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔

☆☆☆

گیوس شوز پہنے تیز تیز چلتی وہ درختوں کے بیچ سے گزر رہی تھی۔ بال ڈھیلے جوڑے کی شکل میں بندھے تھے اور چہرے پہ مدھم سی مسکراہٹ تھی۔ صبح کی ہوا یہاں پھولوں کے اوپر سے بہہ کر اس کے بالوں میں گر رہی تھی۔ خوب صورتی در خوب صورتی۔ اس نے ہلکا سا سویٹر پہن رکھا تھا جس کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے وہ مگن سی قدم اٹھا رہی تھی۔ درخت، ہر پتے پہ ایک یاد رقم تھی۔ وہ جب بھی تنہا ہوتی، یادوں کا روڈ میپ پھر سے کھلنے لگتا۔

ایک درخت کے سامنے وہ بے اختیار رکی۔ پھر اس کے تنے پہ ہاتھ پھیرا۔ وہاں چاقو سے ایک تاریخ کُھدی تھی۔ سات ماہ قبل دسمبر کی تاریخ۔

پارس کی آنکھیں گلابی پانی میں ڈوبنے لگیں، اس نے انگلیوں سے ان ہندسوں کو چھوا۔ ہر عدد صاف تھا۔ ہر لکیر، ہر دائرہ، سب واضح تھا۔ پھر بھی اس کی آنکھوں کی دھندلاہٹ میں وہ دھندلا پڑتا گیا۔ اس نے جھپک کر پلکیں کھولیں تو درخت کا تنا صاف تھا اس پر کچھ نہ لکھا تھا اور وہ اسی طرح اس کے سامنے کھڑی تھی اور اس نے گھٹنوں تک آتا اوور کوٹ پہن رکھا تھا اور بال کھلے تھے۔ ہاتھ میں چاقو تھا جس کی نوک کو تنے پہ رکھے وہ کچھ لکھنے کا سوچ رہی تھی۔ یک دم چونک کر پلٹی۔

پیچھے رضوان کھڑے تھے۔ جیبوں میں ہاتھ ڈالے، ہڈ والا جیکٹ پہنے مسکراتے ہوئے، درخت سے ٹیک لگا کر اسے دیکھتے ہوئے۔

''آپ میرا پیچھا کر رہے تھے؟'' وہ مسکراہٹ دبا کر خفگی سے بولی۔

''نہیں، میں یہ دیکھنا چاہ رہا تھا کہ آپ لکھنا جانتی ہیں یا نہیں۔''

''اور کس نتیجے پر پہنچے آپ؟''

''یہی کہ آپ نہیں جانتیں، ورنہ اتنی دیر چاقو پکڑے بیکار نہ کھڑی رہتیں۔'' پارس نے بہ مشکل مسکراہٹ روکی۔

''میں سوچ رہی تھی کہ کیا لکھوں مگر ابھی فیصلہ نہیں کر پائی۔ ویسے مجھے پتا تھا آپ ضرور آئیں گے۔'' وہ دونوں آمنے سامنے درختوں کے بیچ کھڑے تھے۔

''پچھلے چار دن سے ہم اکٹھے واک کر رہے ہیں، اس لیے مجھے بھی معلوم تھا کہ آپ میرا انتظار کریں گی۔''

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

''مجھے واک کی عادت نہیں ہے مگر میں ہر دفعہ وہ گھر دیکھنے آتی ہوں جو آپ مجھے گفٹ کرنے جا رہے ہیں۔'' اب کے وہ شرارت سے مسکرادی تھی۔ رضوان نے جیبوں میں ہاتھ ڈالے، کندھے اچکائے۔

''کل میں نے وہ گھر خرید لیا ہے، اب بتائیں، کب ہے آپ کی شادی؟''

''نہیں..... سر..... وہ تو..... وہ تو محض ایک مذاق تھا۔'' پارس کی مسکراہٹ غائب ہوئی، آنکھوں میں حیرت اتری اور پھر پریشانی۔

''میں مذاق نہیں کر رہا تھا اور میں اس طرح کے مذاق نہیں کرتا۔''

''مگر سر..... اوہ گاڈ..... آپ نے وہ گھر خرید لیا؟ میرے لیے؟'' اس کی تو جیسے سانس رک گئی تھی۔ رضوان نے مسکرا کر سر کو خم دیا۔

''میں نے آپ سے وعدہ کیا تھا مگر اس وعدے کی ایک شرط بھی تھی۔ آپ شادی ضرور کریں گی۔''

پارس لب کاٹتی انہیں دیکھنے لگی۔ بھویں بھینچے وہ پریشان نظر آ رہی تھی۔

''سر! میں یہ گھر..... اتنا بڑا گفٹ..... میں نہیں لے سکتی۔''

وہ چلتے ہوئے اس کے قریب آئے اور بالکل سامنے آ رکے۔

''کل آپ نے کہا تھا کہ جب سے آپ میرے ساتھ واک کرنے لگی ہیں، آپ میں اعتماد آ رہا ہے، آپ اچھا محسوس کرتی ہیں۔ پارس وہ اعتماد اگر میرا دیا تحفہ ہے اور آپ وہ قبول کرتی ہیں تو وہ اس گھر سے بڑا تحفہ ہے کیونکہ خود پہ اعتماد ایک ایسی چیز ہے جو آپ پیسے سے نہیں خرید سکتیں۔''

پارس کی آنکھوں میں اداسی اتری۔ اس نے پلکیں جھکا دیں۔

''میں نے آپ سے وعدہ کیا تھا کہ میں شادی کروں گی مگر شاید میں شادی کرنا ہی نہیں چاہتی۔''

''کوئی چھوڑ کر چلا گیا تھا جس کا انتظار کر رہی ہیں؟'' انہوں نے آنکھیں سکیڑے بغور اس کے جھکے سر کو دیکھا۔

''نہیں، ایسا نہیں ہے۔'' پارس نے چونک کر چہرہ اوپر کیا۔ البتہ اس کے چہرے پر کئی رنگ آ کر گزرے تھے۔

''تو پھر زندگی کا فیصلہ کر لیں، ورنہ بہت دیر ہو جائے گی۔''

''آپ میرے بارے میں اتنے فکرمند کیوں رہتے ہیں؟'' اس نے پوچھا تو اس کی آواز میں زمانوں کی اداسی تھی۔

''مجھے آپ میں اپنا آپ نظر آتا ہے۔ اپنی جوانی اور مجھے افسوس ہوتا ہے کہ اس وقت میں نے شادی کیوں نہیں کی، اس لیے چاہتا ہوں کہ میری غلطی آپ نہ دُہرائیں۔''

''تو آپ اب کر لیں شادی۔'' اس کے لبوں سے بے اختیار پھسلا۔

''اس عمر میں مجھ سے کون کرے گا شادی؟'' وہ ہلکے سے مسکرائے۔

''ارے۔'' اس کی آنکھیں حیرت سے پھیلیں۔ ''آپ رضوان حیات ہیں، آپ سے تو ہزاروں لڑکیاں شادی کرنے پر راضی ہوں گی۔''

''مگر ان ہزاروں میں سے ایک بھی میری دولت کے بجائے میری ذات سے محبت نہیں کرتی ہوگی۔ مجھے کوئی ایسی بیوی نہیں چاہیے جو میرے مرنے کا انتظار کرے تاکہ تب وہ ساری دولت سمیٹ کر اپنے کسی چاہنے والے کے ساتھ چلی جائے۔ مجھے ایسی بیوی چاہیے جو میری ساتھی ہو۔ وہ جیسے عیسائی شادی کے وقت عہد لیتے ہیں ناں کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھی رہیں گے۔

"in sickness and in health"

بالکل ویسی ہی صحت اور بیماری میں ساتھ رہنے والی چاہیے مجھے۔''

''کوئی تو ملی ہوگی ایسی؟'' وہ چند لمحے خاموشی سے دیکھتے رہے پھر دوبارہ مسکرائے مگر اداسی سے۔

''ہاں، ملی مگر بہت دیر سے۔''

''کیا مطلب؟'' اس نے بھویں سکیڑیں۔

''ایسا کریں، یہاں آج کی تاریخ لکھ لیں۔'' انہوں نے درخت کی طرف اشارہ کیا۔ ''کیونکہ آج کے دن ہی مجھے احساس ہوا کہ وہ مجھے کتنی دیر سے ملی۔''

''مگر..... پہلے آپ بتائیں اگر ایک عورت آپ کے ساتھ مخلص ہے تو اس کو پرپوز کرنے سے کیا چیز آپ کو روک رہی ہے؟'' وہ ناراضی سے بولی بے دماغ وہیں اٹکا تھا۔ رضوان حیات کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔ اداسی بڑھی۔

''اس کے ہاتھ میں پکڑا چاقو۔'' وہ دھیرے سے بولے۔

اور چاقو بنا آواز کے زمین پہ جا گرا۔ پارس کی سانس رکی، آنکھوں میں بے یقینی اتری۔ وہ بالکل ساکت ہو گئی تھی۔

''آئی ایم سوری، مجھے آپ کو یہ کبھی نہیں بتانا چاہیے تھا۔'' وہ مزید اس کی طرف دیکھے بنا پلٹ گئے۔ وہ ہکا بکا انہیں جاتا دیکھتی رہی۔ دل و دماغ سُن ہو کر رہ گئے تھے۔ وہ درختوں کے بیچ دور جاتے نظر آ رہے تھے۔ ان کے جیکٹ کی ہڈ ہوا سے ہولے ہولے جھول رہی تھی، پارس نے انہیں آواز دینی چاہی مگر حلق میں کانٹے اگ آئے۔ وہ سردی میں برف کا بت بنی کھڑی رہی۔

پھر کتنی ہی دیر بعد اس نے جھک کر چاقو اٹھایا اور پلٹ کر تنے پہ ہندسے کھودنے لگی۔ جو بھی تھا، وہ اس کی بات نہیں ٹال سکتی تھی۔

''کیا یہ کوئی خاص تاریخ ہے؟'' آواز پر پارس ڈر کر پلٹی۔ ماضی کا فسوں لمحے بھر میں غائب ہو گیا تھا۔ اس کے پیچھے شجاع کھڑا تھا۔

وہ پرانی یادیں اتنی الجھی ہوئی تھی کہ ٹھیک سے ردِعمل بھی نہ ظاہر کر سکی۔ شجاع کو دیکھا، اردگرد درختوں کو اور واپس کھُدے ہوئے تنے کو۔

''تم رو رہی ہو، پارس؟'' شجاع کے دوسرے فقرے نے اسے مکمل طور پر ماضی سے کھینچ کر باہر نکالا..... اس نے بے اختیار ہتھیلی کی پشت سے آنکھیں صاف کیں۔

''ہاں، دراصل، یہ تاریخ..... یہ وہ دن تھا جب رضوان نے مجھے پرپوز کیا تھا۔'' جواب دیتے ہوئے وہ خود کو سنبھال چکی تھی۔ شجاع نے سر کو ہلکا سا خم دیا اور خاموش ہو گیا۔

''تم اِدھر کیسے.....؟'' پارس نے اطراف میں نگاہ دوڑائی..... سب سنسان پڑا تھا۔ ''اور پلیز یہ مت کہنا کہ تم اتفاق سے مجھ سے ٹکرائے ہو۔''

''افضل بابا نے بتایا تھا کہ تم واک کے لیے گئی ہو..... اس لیے تمہیں ڈھونڈنے آیا۔''

''اب تو میں واپس آنے والی تھی، تمہیں مجھے ڈھونڈنے کا خیال اتنی دیر سے کیوں آتا ہے شجاع.....؟'' وہ اسی درخت کے تنے سے ٹیک لگائے سینے پر بازو لپیٹے کھڑی سنجیدگی سے پوچھنے لگی۔

''اور تم مجھ سے ہمیشہ ناراض کیوں رہتی ہو؟''

''ناراض اُن سے ہوا جاتا ہے جن پر مان ہوتا ہے کہ وہ منا لیں گے اور ہم مان جائیں گے اور جس پر سے سارا اعتبار اٹھ جاتا ہے اس سے کوئی ناراض نہیں ہوتا۔''

''میں نے تمہارا اعتماد توڑا یا تم نے میرا.....؟'' وہ برہمی سے پوچھنے لگا۔ ''میں تو تمہیں فون بھی کرتا تھا، خط بھی لکھتا تھا مگر تم نے منع کر دیا، تم مجھ پر چیختی چلاتی تھیں کہ میں یہ سب نہیں کیا کروں۔''

پارس ایک لمحے کو بالکل چپ ہو گئی البتہ اس کی آنکھوں میں دکھ ابھرا تھا۔

''ٹھیک ہے اگر تم پرانے کھاتے کھلوانا ہی چاہتے ہو تو سنو۔'' وہ بولی تو اس کی آنکھوں میں دکھ

www.paksociety.com